U50005 8-12-07

Title - HAYAAT SAADI

Author — Altaf Hussain Hali

Publisher - Majtabayee Press (Lahore).

Date - 1888.

Pages — 256.

Subjects — Saadi Sheerazi - Sawanch-o-Tanqeed. Tazkira Musnafeen - Farsi — Saadi Sheerazi

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

حیات سعدی

یعنی

[illegible] سعدی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) کے سوانح

[illegible] تصنیفات نظم و نثر پر ریویو

مؤلفہ

[illegible] الطاف حسین تخلص حالی

۱۸۸۶ء

مطبع [illegible] لاہور میں چھپی

قیمت [illegible]

فہرست مضامین حیاتِ سعدی

تمت

حیاتِ سعدی

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ کی سوانح
عمری اور اُن کے کلیاتِ نظم و نثر پر ریویو

سنہ ۱۳۰۶ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مشہور آدمیوں کا حال لکھنا جسکو یونانی میں بیوگرفی اور عربی میں ترجمہ یا تذکرہ کہتے ہیں کم وبیش قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اگرچہ اُسوقت زیادہ تر بہادروں کے معرکے اور دیوتاؤں کے کرشمے لوگوں کو اکثر زبانی یاد ہوتے تھے جو مناسب موقعوں پر بیان کیے جاتے تھے۔ لیکن یہودیوں کے ہاں قدما کی سرگذشتیں لکھی بھی جاتی تھیں۔ یہودیوں کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے اس طرف توجہ کی۔ چنانچہ یونان کے مشہور بیوگرفر **پلوٹارک** کی بیوگرفی جو دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی اُس عہد کے تذکروں میں ممتاز اور برگزیدہ ہے۔ اور عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں اُس زمانہ کے اولیاء۔ شُہدا اور مجتہدوں کے سوانح عمری جو کسیقدر مکمل ہیں کثرت سے موجود ہیں۔ زمانہ متوسط میں مسلمانوں کی بیوگرفی سب سے زیادہ وقعت کے قابل ہے۔ لیکن ان دونوں زمانوں میں تذکرہ لکھنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے حالات محض بطور روایت کے بیان کرتے تھے درایت کو اس میں کچھ دخل نہ دیتے تھے۔ اور بیان میں مبالغہ کو زیادہ کام میں لاتے تھے مسلمانوں کی بیوگرفی میں بھی یہی عام

خاصیت پائی جاتی ہے۔ صرف رجال حدیث کے حالات جو محدثین نے لکھے ہیں اُن میں البتہ بہت احتیاط کی گئی ہے ہر ایک شخص کے اخلاق اور خصائل راست راست بے کم و کاست لکھے گئے ہیں اور اُن کے عیب اور خوبیاں پوست کندہ بیان کی گئی ہیں۔ باقی علما اور شعرا وغیرہ کے تذکرے اکثر ایسے نہیں ہیں۔ اور چونکہ تذکرہ نویسی کا مدار محض نقل اور روایت پر تھا اسلئے اُن لوگوں کے سوا جنکے حالات تاریخ میں مُفصّل لکھے گئے ہیں جیسے خُلفا۔ سلاطین۔ وزرا اور سپہ سالار وغیرہ) باقی تمام اہل کمال کے حالات مختصر طور پر تحریر ہوئے ہیں۔ اور مشہور سے مشہور مُصنّف کی لائف بھی جداگانہ نہیں لکھی گئی۔ زمانۂ حال میں یورپ کے مُورّخوں نے خاص کر سترہویں صدی سے بیوگرفی کو بے انتہا ترقی دی ہے۔ یہاں تک کہ تاریخ کی طرح بیوگرفی نے بھی فلسفہ کی شکل اختیار کی ہے۔ حال کی بیوگرفی میں اکثر مُورّخانہ تدقیق کی جاتی ہے اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کئے جاتے ہیں۔ مُصنّف کے کلام میں غوض کیا جاتا ہے اور اُس کے عیب اور خوبیاں صاف طور پر ظاہر کی جاتی ہیں۔ اکثر ایک ایک شخص کی لائف کئی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی جاتی ہے۔

بیوگرفی اُن بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دُنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں اور جو انسان کی آیندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عُمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجہ کو

پہنچ جاتی ہیں اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے جو اُن کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنے کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دُنیا میں اکثر لوگ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ پڑھکر اپنے تئیں انسانیت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ لوتھر[1] کے دل میں جو ایک غیر معمولی تحریک پیدا ہوئی اور بنجمن[2] فرینکلن نے نہایت پست حالت سے اعلیٰ درجہ تک کی ترقی اور شہرت حاصل کی اسکا بڑا سبب یہی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔ بیوگرفی علم اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سودمند ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے اور بیوگرفی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلاف کے ستودہ کاموں کی ریس کرنیکا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ" بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز

---

[1] لوتھر جرمنی کا رہنے والا عیسائی مذہب کا ایک مشہور مُصلح اور تمام یُورپ کو پوپ کے پنجہ سے نجات دینے والا ہے سنہ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

[2] یہ شخص امریکا کا ایک مشہور فاضل ہے جسنے سب سے اوّل علم برق کے اصُول دریافت کئے ہیں سنہ ۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا۔ اور سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا۔

دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو"۔ ہمارے ملک میں ہو کر نی کیطرف اب تک کچھ توجہ نہیں ہوئی۔ ملک کی عام زبان یعنی اردو میں اب تک یا تو یورپ کے بعض مشہور لوگوں کے حالات انگریزی سے ترجمہ ہوئے ہیں۔ یا ایسے لوگوں کے سوانح لکھے گئے ہیں جن کے حالات پڑھکر کوئی عمدہ تحریک دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک ہندو مسلمانوں کے اکابر اسلاف میں بھی ایسے بہت سے افراد نکلیں گے جن کے بڑے بڑے کام اور اُن کے کمالات قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں اور موجودہ نسلوں کا فرض ہے کہ اُن کا نام زندہ کرنے اور آیندہ نسلوں کا دل بڑھانے کے لئے اُن کے فضائل اور کمالات دنیا میں شائع کریں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ قدما میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اُن کے بھی مفصل حالات دستیاب ہونے سخت دشوار بلکہ ناممکن ہیں صرف تذکروں میں کچھ کچھ مختصر حال درج ہے لیکن اُس سے کسی کی لائف ترتیب دینی ہرگز ممکن نہیں ٭

ہمنے اس خیال سے کہ شیخ سعدی شیرازی کا نام حد سے زیادہ مشہور ہے شاید اُن کے مفصل حالات بہم پہونچ جائیں۔ اُن کے سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض سے اکثر فارسی تذکرے جو یہاں مل سکتے ہیں دیکھے اور انگریزی تذکرہ سر گور اوسلی[۱] صاحب کا بھی دیکھا۔

[۱] یہ صاحب ۱۸۰۰ء میں جبکہ مارکوئس ولزلی صاحب گورنر جنرل تھے بطریق سیاحت ہندوستان میں آئے تھے۔ شدہ شدہ لکھنؤ میں نواب سعادت علیخان کے اے ۔ ۳

مگر ان تمام تذکروں میں زیادہ تر وہی شیخ کی مشہور نقلیں اور حکایتیں جو زبان زد خاص و عام ہیں تھوڑے تھوڑے تفاوت کے ساتھ مندرج پائیں - شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سوا کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے اُسکے کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں - اگرچہ یہ تمام باتیں مایوس کرنے والی تھیں مگر ہمنے اپنے ارادہ کو جسطرح ہوسکا پورا کیا - جسقدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہوسکتی تھیں اُن کے علاوہ بعض حالات خود شیخ کے کلام سے استنباط کئے اور نیز اُس عہد کی تاریخ میں اکثر واقعات کا سُراغ لگایا اور کُچھہ باتیں علی بن احمد جامع کلیات شیخ کے دیباچہ سے اخذ کیں - اور کچھ کچھ انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی - اور اس تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا تالیف کی صورت میں مُرتب کیا - اور شیخ کی تصنیفات کے بیان میں زیادہ تر اپنی ناچیز رائے اور تفحص پر بھروسہ کرکے یہ مضمون ختم کیا گیا - اگرچہ شیخ کی اصل سرگذشت میں جسقدر کہ وہ اب تک معلوم ہوئی ہے - کوئی عظیم الشان واقعہ نہیں ہے لیکن جس ترتیب کے ساتھ اُس کے پراگندہ حال جمع کرکے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اور جس طریقہ سے اُسکی عُمدہ تصنیفات اور پاکیزہ خیالات پر بحث کی گئی ہے اُس سے امید کیجاتی ہے کہ

---

۲ نوکر ہوگئے - پھر گورنمنٹ کی طرف سے ایران میں سفیر ہوکر گئے - سفارت کے زمانہ میں ایک تذکرہ ایران کے مشہور شاعروں کا جن میں شیخ بھی شامل ہے انہوں نے بہت کوشش سے لکھا تھا *

عام ناظرین کے لئے اسکا مطالعہ لطف سے خالی نہو گا - اور خاصکر شعرا کو اس سے کسی قدر بصیرت اور نصیحت بھی حاصل ہوگی +

اس کتاب کے دو باب اور ایک خاتمہ ہے **پہلے باب** میں شیخ کے سوانح عمری کا بیان ہے اور **دوسرے باب** میں اس کی تصنیفات کا مفصل ذکر ہے اور **خاتمہ** میں اُس کے عام حالات اور عام شاعری پر بالاجمال نظر کی گئی ہے - اگرچہ اسلام کے قدیم مصنفوں میں بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جن کی عظمت اور جلالت کے سامنے شیخ کو کچھ رتبہ نہیں ہے - مگر ہمنے سب سے اول شیخ کا حال اسلئے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اس سے زیادہ کوئی مسلمان مصنف مقبول اور مشہور نہیں ہے اور خاصکر فارسی زبان کے شعرا میں میرے نزدیک کوئی شاعر اس کے رتبہ کو نہیں پہنچا - لیکن اگر زمانہ نے فرصت دی تو ہمارا ارادہ ہے کہ اور بھی چند مشہور اور ذی وقعت مصنفوں کی سوانح عمری اور اُن کی تصنیفات کا بیان جدا جدا لکھیں گے +

السعی منا والاتمام من اللہ

پہلا باب

شیخ کے سوانح عمری

شیخ کی سرگزشت بیان کرنے سے پہلے اُس مردُم خیز خطّہ کا مختصر حال لکھنا شاید بے محل نہو گا جسکی خاک سے ایسا مُفید اور مقبول مُصنّف پیدا ہوا۔ اور جہاں سے علما و شعرا اور جلیل القدر مُصنّفوں کی ایک جماعتِ کثیر عروجِ اسلام کے ہر طبقہ اور ہر صدی میں ظہور کرتی رہی ہے۔

فارس اور شیراز کا حال

ایران کے جنوب مغربی حصّہ میں خلیج فارس کے کنارہ پر پارس[۱] ایک خطّہ ہے جسکو عرب فارِس کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے لیکن اب خاص اس حصّہ کو پارس کہا جاتا ہے۔ اس چھوٹی سی ولایت میں بہت سی قدرتی اور قدیم مصنوعی چیزیں ایسی ہیں کہ اُس کو دُنیا کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

[۱] پارس جیسا کہ فرہنگ ناصری میں لکھا ہے ہوشنگ کے بیٹے کا نام تھا۔ اُسی کے نام سے قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے اور اہل یورپ اب بھی تمام ایران کو اسی لئے پرشیا یعنی پارس کہتے ہیں۔ لیکن جب سے کہ ایران کے ہر ایک صوبہ اور ولایت کا جُدا جُدا نام رکھا گیا اُسوقت سے پارس اِسی خاص ولایت کو کہنے لگے۔

تقریباً آدھا ملک پہاڑی اور آدھا میدانی ہے - اور جنوبی حد پر سمندر یعنی خلیج فارس ہے - آب و ہوا کہیں نہایت گرم ہے اور کہیں نہایت سرد ہے اکثر صحرا سرسبز و شاداب ہیں - جا بجا چشمے اور ندیاں جاری ہیں - صحرائے شاپور میں جو کہ شیراز کے نواح میں ہے ایک وسیع قطعہ ہے جسکا نام شعب بوان ہے - عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں چار تفرج گاہیں ایسی ہیں جنکا کہیں نظیر نہیں - صغد سمرقند[ل] - غوطۂ دمشق - نہر ابلہ - اور شعب بوان اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جسکے عہد حکومت میں شیخ نے گلستان لکھی ہے ہمیشہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ میرے ملک میں دو چیزیں ایسی ہیں جو خوف اور اطمینان کی حالت میں بادشاہوں کے لئے ناگزیر ہیں - خوف کی حالت میں قلعۂ سفید - اور اطمینان کی حالت میں نزہت گاہ شعب بوان - اکثر شعرائے عرب نے اس قطعہ کی تعریف میں قصیدے لکھے ہیں جن میں سے سلامی شاعر کا قصیدہ جو عضد الدولہ دیلمی کی فرمایش سے لکھا گیا نہایت مشہور ہے - ایک اور شاعر کہتا ہے -

إِذَا أَشْرَفَ الْمَحْزُوْنُ مِنْ رَأْسِ قَلْعَةٍ   عَلٰی شِعْبِ بَوَّانَ اسْتَرَاحَ مِنَ الْكَرْبِ

ترجمہ - جب غمگین آدمی قلعہ پر سے شعب بوان کی فضا کو دیکھتا ہے تو

[ل] صغد بقریب سغد نشیب کی زمین اور صغد سمرقند ایک نزہت گاہ سمرقند کے قریب تھی غوطہ بھی نشیب کی زمین کو کہتے ہیں - اور غوطۂ دمشق ایک سیرگاہ دمشق میں تھی - ابلہ بصرہ میں ایک پر فضا مقام تھا وہاں ایک ندی تھی اسکو نہر ابلہ کہتے تھے یہ تینوں مقام اور شعب بوان دنیا کے چار بہشت سمجھے جاتے تھے ۱۲

اُسکی تمام کُلفتیں دور ہو جاتی ہیں۔

فارس کے میوے عراق عجم میں جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے اور مفید کانیں فارس میں موجود ہیں۔ فارس کے آثار قدیمہ دُنیا کے اُن عجائبات میں سے ہیں جنکو اگلے زمانہ کے لوگ جن اور پری کے کام سمجھتے تھے۔ جیسے تخت جمشید۔ نقش شاپور۔ دخمۂ وندیدون۔ اور خانۂ زردشت انکا مُفصّل حال ایران کی انگریزی تاریخوں میں مذکور ہے۔ انہیں آثار قدیمہ کی نسبت عُرفی شیرازی نے کہا ہے ؎

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ ۔ آثار پدید است صنا دیدِ عجم را

اسکے سوا اور بہت سی خصوصیتیں ایسی ہیں جنکے دیکھنے سے انسان کے قویٰ میں شگفتگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ فارس کے اکثر شہر مردُم خیز سمجھے گئے ہیں۔ جیسے یزد۔ میبذ۔ گازرُون۔ فیروزآباد۔ بیضا۔ شیراز وغیرہ۔ ان شہروں میں کثرت سے عُلماء و فضلا اور ادیب و شاعر پیدا ہوئے ہیں جن کی تصنیفات مسلمانوں میں اب تک موجود ہیں۔ خصوصاً **شیراز** جو کہ صدہا سال ایران کا پایۂ تخت رہا ہے۔ مسلمان ایرانیوں نے جس طرح **قم** کو دارالمؤمنین اور یزد کو دارالعِبّاد کا خطاب دیا ہے اسی طرح **شیراز** کو دارالعلم کے لقب سے مُلقب کیا ہے۔ اگرچہ شیراز کا علم و فضل زمانہ کے انقلاب اور سلطنت اسلامیہ کے تنزّل سے اب نہایت پست حالت میں ہے لیکن اُسکی موجُودہ نسلوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قدیم بزرگی اور برتری کے نشہ میں اب تک

بدمست ہیں - حاجی لطف علی خان آذر نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شیراز کے چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے صحبت اور جلسوں پر فریفتہ ہیں کسب معاش اسقدر کرتے ہیں کہ کسی کے محتاج نہ ہوں - تھوڑی سی آمدنی پر قانع رہتے ہیں اور ہمیشہ سیرگاہوں اور قہوہ خانوں میں جمع ہوتے ہیں؛

شیراز کی بنیاد اسلام کے زمانہ میں پڑی ہے محمد بن قاسم جنے مسلمانوں میں سب سے اوّل ہندوستان پر لشکر کشی کی ہے شیراز کا بانی ہے یہ شہر پہلی صدی ہجری کے اخیر میں ایک نہایت سرسبز و شاداب قطعۂ زمین پر آباد کیا گیا ہے - تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ شیراز کے مکانات بہت وسیع اور بازار پُر رونق ہیں اور گھر گھر نہر جاری ہے شاید ہی کوئی مکان ایسا ہو جسمیں ایک عمدہ باغ اور نہر نہ ہو - پھر صفاریوں[۱] اور دیلمیوں[۲] کے عہد میں شیراز نے اور بھی زیادہ وسعت اور رونق حاصل کی - عضد الدولہ دیلمی کے زمانہ میں اُسکی آبادی اس درجہ کو پہنچی کہ شہر میں اہل لشکر کی گنجایش نہ رہی اور شہر کے باہر ایک جدید عمارت بنائی گئی جسکا نام سوق الامیر رکھا گیا اور اُسکے بیٹے صمصام الدولہ نے اُس جدید عمارت کے گرد پختہ فصیل کھنچوائی؛

شیراز کی آب و ہوا نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد بلکہ نہایت معتدل اور

[۱] صفاریوں میں تین بادشاہ ہوئے چالیس برس اُن کی سلطنت رہی ۱۲

[۲] دیلمیوں میں نہار بادشاہ ہوئے جن کی حکومت ۱۲۸ برس رہی ۱۲

خوشگوار ہے شیخ سعدی اور خواجہ حافظ اور اور اکثر پرانے اور نئے شاعروں نے شیراز کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں از انجملہ خواجہ حافظ کا یہ شعر مشہور ہے ؎

بدہ ساقی مئی باقی کہ در جنت نخواہی یافت کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلیٰ را

شیخ علی حزین نے بارہویں صدی ہجری میں جبکہ شیراز کی رونق بالکل جا چکی تھی اُسکو دیکھا ہے وہ اپنے سوانح عمری میں اُسکی بہت سی تعریف کے بعد لکھتا ہے کہ "شیراز کی آب وہوا دماغ کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتی ہے جسقدر چاہو کتاب کے مطالعہ اور فکر و غور مضامین میں مصروف رہو کبھی جی نہ اکتائیگا"۔

اس میں شک نہیں کہ شہر کا قدرتی موقع اور آب وہوا کی خوبی اور عمارات کی لطافت وخوش اسلوبی باشندوں کے خیالات اور قویٰ پر عجیب اثر رکھتی ہے یہی سبب ہے کہ شیراز کے اکثر مشائخ اور علماء و شعرا پاکیزہ طبع اور لطیف و ظریف ہوئے ہیں شیخ نے بوستان کے دیباچہ میں اہل شیراز کو اُن تمام اشخاص پر ترجیح دی ہے جنسے وہ حالت سفر میں ملا تھا شیراز سے جسقدر علما و مشائخ و شعرا و مصنفین ابتدا سے اخیر تک اُٹھے ہیں اور جن کا حال مسلمانوں کے تذکروں میں جابجا مذکور ہے اُن کی تعداد سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس شہر کی خاک علم وہنر کے ساتھ کسقدر مناسبت رکھتی ہے اور شیخ کے کلام کی بے نظیر شہرت اور مقبولیت سے ثابت ہے کہ شیخ کا وجود بھی شیراز کے لئے کچھ کم باعث افتخار نہ تھا۔

شیخ کا نام۔ نسب۔ ولادت اور بچپن

اُس کا نام شرف الدّین اور مُصلح لقب اور سعدی تخلّص ہے
سرگور اوسلی نے اُسکی ولادت ۵۸۹ھ ہجری مُطابق ۱۱۹۳ء میں لکھی ہے
مگر تحقیق یہ ہے[۱] کہ وہ سال مذکور سے بہت برسوں پہلے اتابک مُظفّر الدّین
تکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ کی ولادت کے کئی برس
بعد اتابک سعد زنگی اپنے بھائی تکلہ بن[۲] زنگی کی جگہ تختِ شیراز پر تمکن ہوا تھا۔
چونکہ شیخ نے سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ اور نیز شیخ کا
باپ عبد اللہ شیرازی سعد کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھا اسلئے اُس نے اپنا
تخلّص سعدی قرار دیا۔ شیخ کا باپ جیسا کہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے ایک
باخدا اور متورّع آدمی تھا۔ شیخ کے بچپن کا حال اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ
نماز و روزہ کے مسائل اُسکو بہت تھوڑی عمر میں یاد کرائے گئے تھے اور

---

[۱] اُسکی ولادت کا سال کسی نے نہیں لکھا صرف سالِ وفات سب نے لکھا ہے یعنی ۶۹۱ھ ہجری اور اُسکی عمر ۱۰۲ یا ۱۱۰ یا ۱۲۰ برس کی بتائی ہے پس کم سے کم عمر ماننے سے اُسکی ولادت ۵۸۹ھ ہجری میں قرار پاتی ہے لیکن اس میں لازم آتا ہے کہ ابو الفرج ابن جوزی جو بغداد میں اُسکا جلیل القدر اُستاد تھا اُسکی وفات کے وقت جو کہ قطعاً ۵۹۷ ہجری میں ہوئی ہے شیخ کی عمر نو برس سے زیادہ نہو اور یہ بالکل خلاف واقع ہے اسی لئے اُسکی عمر ۱۰۲ برس سے زیادہ تسلیم کرنی چاہئے ۱۲

[۲] بوستان میں تکلہ کو شاہانِ پیشین میں لکھا ہے حالانکہ سعدی اُس کے وقت میں پیدا ہو لیا تھا اسکا سبب یہ ہے کہ بوستان تکلہ سے چوتھے بادشاہ یعنی ابوبکر کے عہد میں لکھی گئی ہے پس شاہانِ پیشین سے وُہ بادشاہ مُراد ہیں جو ابوبکر سے پہلے تھے نہ وہ جو سعدی سے پہلے تھے ۱۲

بچپن ہی میں اُسکو عبادت شب بیداری اور تلاوت قرآن مجید کا کمال شوق تھا۔ عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتا تھا اور کہیں آوارہ پھرنے نہ پاتا تھا۔ باپ اُسکے افعال و اقوال کی نگرانی عام باپوں کی نسبت بہت زیادہ کرتا تھا اور بے موقع بولنے پر زجر و توبیخ کرتا تھا۔ شیخ نے اپنی تربیت کا بڑا سبب اسی باپ کی تادیب اور زجر و توبیخ کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ بوستان میں کہتا ہے ؎

ندانی کہ سعدی مکان از چہ یافت | نہ ہامون نوشت و نہ دریا شگافت
بخردی بخورد از بزرگان قفا | خدا دادش اندر بزرگی صفا

لیکن شیخ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ اُسکو کم سن چھوڑ کر مر گیا تھا باپ کی وفات کے بعد غالباً شیخ کی والدہ نے اُسکو تربیت کیا ہوگا کیونکہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں اُس کی ماں زندہ تھی۔ کئی تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ علامہ قطب الدین شیرازی جو کہ محقق طوسی کا شاگرد رشید۔ اور ہلاکو خان کا مصاحب خاص تھا شیخ کا ماموں یا قریب کا رشتہ دار تھا مگر بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کے باہم ایسی بے تکلفانہ ہنسی اور چہل ہوتی تھی جو ماموں بھانجوں میں نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال شیخ اور علامہ دونوں ہمعصر تھے اور شاید کچھ قرابت بھی رکھتے ہوں ۔

شیخ کی تعلیم کا حال

اگرچہ شیخ کا باپ ایک درویش مزاج آدمی تھا اور بچپن میں شیخ کو نسبت

علم حاصل کرنے کے زہد و عبادت اور صلاح و تقویٰ کی زیادہ ترغیب دی
گئی تھی۔ اسکے سوا شیخ ابھی جوان نہ ہونے پایا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔
مگر اُس نے ہوش سنبھالتے ہی شیراز اور اُس کے قرب و جوار میں علما اور مشائخ
اور فُصحا و بلغا کی ایک جماعت کثیر اپنی آنکھ سے دیکھی تھی اور اُن سے بھی
زیادہ ایک جمّ غفیر کا شہرہ جو خطۂ فارس میں اہل کمال ہو گزرے تھے بزرگوں
سے سُنا تھا۔ قاعدہ ہے کہ بزرگوں اور کاملوں کے دیکھنے یا اُن کی شہرت اور
ذکر خیر سُننے سے ہونہار لڑکوں کے دل میں خود بخود اُن کی ریس اور پیروی
کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اِسی لئے تحصیل علم کا شوق اُسکو دامنگیر
ہوا۔ اگرچہ دار العلم شیراز میں تحصیل علم کا سامان مہیا تھا۔ علماے جلیل
القدر درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مدرسۂ عضدیہ جو کہ عضد الدولہ
دیلمی نے قایم کیا تھا اور اُس کے سوا اور مدرسے وہاں موجود تھے۔ لیکن
اُسوقت وہاں ایسی ابتری اور خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ اہل شیراز کو ایک دم
اطمینان نصیب نہ تھا۔ اگرچہ اتابک سعد بن زنگی نہایت عادل۔ رحمدل
بامروّت اور فیّاض بادشاہ تھا مگر اُس کی طبیعت میں اولوالعزمی حد سے زیادہ
تھی۔ اکثر شیراز کو خالی چھوڑ کر عراق کے حدود میں لشکرکشی کرتا رہتا تھا۔
اور اپنی فتوحات کے شوق میں ممالک محروسہ کو بالکل فراموش کر دیتا تھا۔ اُسکی
غیبت کے زمانہ میں اکثر مفسد لوگ میدان خالی پاکر اطراف و جوانب سے شیراز
پر چڑھ آتے تھے اور قتل و غارت کرکے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ساتویں
صدی کے آغاز میں اوّل اتابک اوزبک پہلوان نے، اور پھر چند روز

بعد سلطان غیاث الدین نے بہت سے لشکر کے ساتھ آکر شیراز کو ایسا تاخت و تاراج کیا کہ اُسکی تباہی اور بربادی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا۔ ایسی حالت میں تحصیلِ علم کی فرصت شیخ کو وطن میں ملنی دشوار بلکہ ناممکن تھی۔ اِسکے علاوہ امن کے زمانہ میں بھی وطن کے مکروہات اور موانع ہمیشہ تحصیلِ علم میں رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے شیخ کو ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں اُسنے شیراز سے تنگ آکر بغداد جانے کا ذکر کیا ہے ؎

دلم از صحبتِ شیراز بکلّی بگرفت ۔۔۔ وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیثیست صحیح ۔۔۔ نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ۔ میرا دل شیراز کی صحبت سے تنگ آگیا۔ اَب وہ وقت ہے کہ مجھ سے بغداد کا حال پوچھو۔ اَے سعدی وطن کی محبّت اگرچہ صحیح بات ہے۔ مگر اس ضرورت سے کہ میں یہاں پیدا ہوا ہوں سختی میں مرا نہیں جاتا۔

اُس زمانہ میں مسلمانوں کے بیشمار مدرسے بلادِ اسلام میں جابجا کھلے ہوئے تھے جہاں دُور دُور سے طالبعلم آکر علم تحصیل کرتے تھے۔ ہرات۔ نیشاپور۔ اصفہان۔ بصرہ اور بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان کے بنائے ہوئے مدرسے آباد اور معمور تھے۔ انکے سوا شام[1]۔ عراق اور مصر وغیرہ

---

[1] انمیں سے مدرسہ ناصریہ ملک الناصر صلاح الدین کا بنایا ہوا قدس میں اور مدرسہ رواحیہ رواحہ کے پوتے زکی ابوالقاسم ہبۃ اللہ کا۔ اور نیز مدرسہ ست الشام خاتون بنت ایوب خواہر صلاح الدین کا اور دار الحدیث ملک عادل بن ایوب کا دمشق میں اور مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ کا بغداد میں

جگہ جگہ مدرسے جاری تھے لیکن سب سے زیادہ شہرت نظامیہ بغداد نے
حاصل کی تھی جسکو خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ میں قائم کیا تھا
ہزاروں جلیل القدر عالم اور حکیم اس مدرسے سے تعلیم پاکر نکلے ہیں جنکی تصنیفات
آج تک مسلمانوں میں موجود ہیں - یہ مدرسہ اسقدر نامور تھا کہ جو طلبا یہاں سے
پڑھتے ہوئے مشہور ہو جاتے تھے پھر اُن کے مستند اور ذی استعداد ہونے میں
کسیکو شبہ نہ رہتا تھا - امام ابو حامد غزالی - شیخ عراق عبد القاہر سہروردی
اُستاذ الائمہ ابو حامد عماد الدین موصلی اور اور بڑے بڑے جلیل القدر عالموں
نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی - شیخ کو اس مدرسے میں آنے کی رغبت اس
سبب سے اور بھی زیادہ ہوئی ہوگی کہ اُس کا ہموطن شیخ ابو اسحاق شیرازی
جسکا علم و فضل شہرۂ آفاق تھا مدت تک اس مدرسہ کا متولی رہا تھا
جسوقت نظام الملک نے بغداد میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا تو سب سے اول
یہاں کا متولی شیخ ابو اسحاق کو مقرر کیا تھا - اور اس سبب سے اہل شیراز کو
اس مدرسے ایک خاص نسبت اور لگاؤ تھا •

الغرض شیخ نے مدرسہ نظامیہ میں جاکر تحصیل علم شروع کی - اور جیسا کہ
بوستان میں اُنہوں نے تصریح کی ہے وہاں سے اُس کے لئے کچھ وظیفہ بھی مقرر

ھ اور صاحبیہ وزیر صفی الدین کا قاہرہ میں اور نوریہ نور الدین ارسلان شاہ صاحب موصل کا
موصل میں بہت مشہور تھے - انکے سوا جیسا کہ تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے اور بہت سے
مدرسے جیسا مدرسہ ثقفیہ - قاہریہ - عزیزیہ - عزیہ - زینبیہ - لقیسیہ - علائیہ وغیرہ وغیرہ
بیت المقدس - موصل - بغداد - دمشق اور اسکندریہ وغیرہ میں موجود تھے •

ہوگیا تھا۔ بغداد میں جن لوگوں سے شیخ نے پڑھا تھا اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور شخص علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی ہے جسکا لقب جمال الدین ہے۔ یہ شخص حدیث اور تفسیر میں اپنے وقت کا امام تھا بیشمار کتابیں اسکی تصنیفات سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُسنے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میںنے جن قلموں سے حدیث لکھی ہے اُن کا تراشہ میرے حجرہ میں ہے۔ مرنے کے بعد جب مجھکو نہلائیں تو غسل کے لئے اُس تراشہ سے پانی گرم کریں۔ چنانچہ اُس کی وصیت کے موافق عمل کیا گیا۔ اور پانی گرم ہو کر کچھ تراشہ بچ رہا۔

جس زمانہ میں شیخ بغداد میں علامہ ابن جوزی سے پڑھتا تھا اُسوقت شیخ کی جوانی کا آغاز تھا۔ دولت شاہ سمرقندی اور سرگور اوسلی نے لکھا ہے کہ ابن جوزی سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے بیعت کی تھی اور اُن سے علم تصوف اور طریق معرفت وسلوک حاصل کیا۔ اور پہلی مرتبہ اُنہیں کے ساتھ بیت اللہ کے حج کو گیا۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی وفات ۵۶۱ھ ہجری میں یعنی شیخ سعدی کی ولادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ شیخ شہاب الدین سُہروردی سے اُسکو صحبت رہی ہے۔ اور ایکبار سفر دریا میں وہ اُن کے ساتھ رہا ہے۔

شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اُس کے ہم عمر اور ہمسر لوگ اُس کی خوش بیانی اور حسن تقریر پر رشک کرتے تھے

چنانچہ ایکبار اُسنے اُستاد سے شکایت کی کہ فلاں طالب علم مجھ کو رشک کی
نگاہ سے دیکھتا ہے جب میں آپس میں بیٹھکر مسائلِ علمیہ بیان کرتا ہوں تو وہ
حسد سے جل جاتا ہے اُستاد یہ سُنکر شیخ پر غصے ہوا اور یہ کہا کہ اَوروں کے
رشک وحسد کی تو شکایت کرتے ہو اور اپنی بدگوئی اور غیبت کو بُرا نہیں
سمجھتے ۔ تم دونو اپنی عاقبت خراب کرتے ہو وُہ رشک وحسد سے اور تم
بدگوئی وغیبت سے ۔

شیخ کو بچپن سے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے فقرا اور درویشی کیطرف زیادہ
میلان تھا ۔ طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ برابر وجد وسماع کی مجلسوں میں
شریک ہوتا تھا ۔ اور علاّمہ ابوالفرج ابن جوزی ہمیشہ اُسکو سماع سے منع کرتا تھا
مگر شیخ کو سماع کا ایسا چسکا تھا کہ اِس باب میں کسیکی نصیحت کارگر نہوتی تھی ۔
لیکن علماء کی سوسائٹی آہستہ آہستہ اُس کے دل میں گھر کرتی جاتی تھی ۔ آخر
ایک روز کسی مجلس میں اُسکو ایک بدآواز قوّال سے پالا پڑا اور بضرورت
ساری رات اُس مکروہ صحبت میں بسر ہوئی ۔ صحبت کے ختم ہونے پر آپ
نے سر سے مُنڈاسا اُتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا اور یہ دونوں
چیزیں قوّال کی نذر کیں ۔ اصحابِ مجلس کو اِس حرکت سے تعجّب ہوا ۔
شیخ نے یاروں سے کہا کہ مینے آج اِس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے ۔
میرا مُربّی اُستاد ہمیشہ سماع سے منع کرتا تھا مگر مینے اُس کے حکم کی تعمیل نہ کی
اور برابر سماع میں شریک ہوتا رہا ۔ آج خوش قسمتی سے اِس مبارک جلسے
میں آنا ہوا اور اِس بزرگوار قوّال کے تصرّف سے مینے ہمیشہ کے لئے

سماع سے توبہ کی ۔

شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی صحبت سے عالم طالب علمی ہی میں تصوف اور درویشی کے خیالات اُس کے دل سے اُتر گئے تھے ۔ وہ کہتا ہے کہ ایک شخص خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ میں چلا آیا ۔ میں نے پوچھا کہ عالم اور درویش میں کیا فرق دیکھا جو اُس طریقہ کو چھوڑ کر اس کوچہ میں قدم رکھا ۔ کہا درویش صرف اپنی جان بچانے میں کوشش کرتے ہیں اور علما یہ چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ ڈوبتوں کو بھی بچائیں ۔

شیخ نے شعر میں اکثر یہ بات جتائی ہے کہ اُسکو کسی سرزمین کے ساتھ عراق یا بغداد سے بڑھکر تعلق نہیں رہا ۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے ؎

بعد از عراق جاے خوش نایدم ہواے ساقی بزن نواے زان پردۂ عراقی

جس زمانہ میں شیخ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا اگرچہ اُسوقت حقیقت میں عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہوچکا تھا مگر ظاہری شان و شوکت ہارون اور ماموں کے عہد کو یاد دلاتی تھی ۔ عباسیہ کا اخیر خلیفہ مُستعصم باللہ سریر سلطنت پر متمکن تھا ۔ اور اُس کے عہد میں گویا بغداد کی خلافت نے چند روز کے لئے سنبھالا لیا تھا ۔ اطرافِ عالم کے اکابر و اشراف اور ہر علم و فن کے ماہر اور ارباب حرفت و صنعت مدینۃ السلام بغداد میں جمع تھے عیش و عشرت کے سامان حد سے زیادہ ہر طرف مُہیّا نظر آتے تھے ۔ خلیفہ کی عظمت اور رُعب و داب سے بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ لرزتے تھے ۔ اور بڑے بڑے شہر یار اور فرمان روا بارگاہ خلافت میں مشکل سے

بار یاب ہوتے تھے۔ قصر خلافت کے آستانہ پر ایک پتھر بمنزلہ حجر الاسود کے پڑا ہوا تھا۔ جکو اُمرا اور اعیانِ سلطنت قصرِ خلافت میں داخل ہوتے وقت بوسہ دیتے تھے تہواروں میں جس راہ سے خلیفہ کی سواری نکلتی تھی وہاں ایک مدت پہلے سے رستہ کے تمام منظر اور بالاخانے کرایہ داروں سے رُک جاتے تھے۔ الغرض عباسیہ کا یہ آخری جاہ و جلال شیخ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور پھر اُسی آنکھ سے اُس دار الخلافہ کا بے چراغ ہونا جو چھ سو برس بوسہ گاہِ ملوک وسلاطین رہا تھا اور اُس خاندان کی بربادی جسکا سایۂ اقتدار یورپ۔ ایشیا اور افریقہ پر برابر پڑتا تھا اور خلیفہ اور اُسکی اولاد اور ہزارہا بنی عباس اور کئی لاکھ اہل لشکر اور اہل بغداد کا تاتاریوں کی تیغ بیدریغ سے قتل ہونا اور عرب کے سطوت اور اقتدار کا ہمیشہ کے لئے صفحۂ روزگار سے مٹ جانا مشاہدہ کیا تھا۔ شیخ نے وہ تمام اسباب بھی دیکھے تھے جو مستعصم باللہ کی تباہی اور عباسیہ کے زوال کا باعث ہوئے اور وہ ظلم وستم بھی اُسکی آنکھوں کے روبرو گزرے تھے جو ہلاکو خان کے خونخوار لشکر نے بغداد میں برپا کئے۔ اِن حوادث وواقعات کا تماشا شیخ کے لئے ایک نہایت عمدہ سبق تھا جس نے اُسکے دِل میں قوم کی دلسوزی بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا کی ہمدردی۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں کی بھلائی کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اِسی خیال کی بدولت اُس نے اپنی تمام عمر ابنائے جنس کی نصیحت اور خیر اندیشی میں صرف کی۔ مستعصم باللہ کا نہایت دردناک مرثیہ شیخ نے اُسوقت لکھا ہے جب کوئی شخص اُس کا

روئے والا اور خود اسلام کے سوا کوئی اُسکا ماتمدار اور سوگوار دُنیا میں باقی نہ تھا۔ اِس مرثیہ کی چند ابیات اس موقع پر نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں ۔

ابیات

	اشعار		ترجمہ
۱۔	آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنین	۱۔	آسمان کا فرض ہے کہ مُستعصم کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔
۲۔	اے محمد گر قیامت مے برآری سر ز خاک سر برآور وین قیامت در میانِ خلق بین	۲۔	اے محمد (صلعم) اگر آپ قیامت ہی کو مرقد سے باہر نکلیں گے تو ابھی نکلکر قیامت دُنیا میں دیکھ لیجئے۔
۳۔	نازنینانِ حرم را خونِ خلقِ نازنین ز آستان بگذشت و ما را خونِ دل از آستین	۳۔	محل کے نازپروردوں کے حلق کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا اور ہمارے دلکا خون آستین سے ٹپک نکلا۔
۴۔	زینهار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار در خیالِ کس نگشتی کانچنان گردد چنین	۴۔	زمانہ کی گردش اور دُنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہئے یہ بات کسیکے خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ یُوں سے یُوں ہو جائیگا۔
۵۔	دیده بر دار ایکه دیدی شوکتِ بیت الحرام	۵۔	جنہوں نے اُس بیت الحرام کی شان و

	قیصر روم سر بر خاک و خاقان بر زمین		شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر اور چین کے خاقان خاک پر سر رگڑتے اور زمین پر بیٹھتے تھے وہ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھیں۔
۶ -	خون فرزندان عمِ مصطفیٰ شد ریختہ ہم بر آن خاکی کہ سلطانان نہادندی جبین	۶ -	کہ پیغمبر خدا کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہہ گیا جہاں سلاطین ماتھا رگڑتے تھے۔
۷ -	بعد ازین آسایش از دنیا نباید چشم داشت قیر در انگشتری ماند چو برخیزد نگین	۷ -	آئندہ دنیا سے آرام کی توقع رکھنی نہیں چاہئے کیونکہ انگوٹھی پر سے جب نگین جاتا رہتا ہے تو نری کلونس رہ جاتی ہے۔
۸ -	دجلہ خونابست زین پس گر نہد سر در نشیب خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجین	۸ -	دجلہ کا پانی یکسر لہو ہو گیا ہے اگر آب جاری رہیگا تو نخلستان بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دیگا۔
۹ -	نوحہ لایق نیست بر خاک شہیدان زانکہ ہست کمترین دولت مر ایشان را بہشت برترین	۹ -	شہیدوں کی خاک پر نوحہ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ان کے لئے ادنیٰ نعمت فردوس بریں ہے

۱۰-	لیکن از بہر مسلمانی و راہ مرحمت مہربان را دل بسوزد در فراق نازنین	۱۰-	ہاں مگر رحم اور اسلام کی ہمدردی کے سبب دوست کا دل دوست کی جدائی میں کڑھتا ہے۔
۱۱-	باش تا فردا کہ بینی روز داور رستخیز کز لحد با روئے خون آلود برخیزد دفین	۱۱-	کل تک صبر کرو قیامت کے دن دیکھ لینا کہ قبر سے اہل قبر لہو بھرا مونہہ لیکر اٹھیں گے۔
۱۲-	تکیہ بر دنیا نباید کرد و دل بر وے نہاد کاسمان گاہے مہر است اے برادر گہ کین	۱۲-	یار دنیا پر بھروسا کرنا اور اس سے دل لگانا نہیں چاہئے کیونکہ آسمان کبھی دوست ہے اور کبھی دشمن۔
۱۳-	زور بازوے شجاعت بر نیاید با اجل چون قضا آید نماند قوت رائے رزین	۱۳-	شجاعت کا زور موت پر غالب نہیں آسکتا اور جب قضا آتی ہے تو رائے صائب کی قوت جاتی رہتی ہے۔
۱۴-	تیغ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام شیر مرد را کہ باشد مرگ پنہان در کمین	۱۴-	جس بہادر کی گھات میں اجل ہوتی ہے اس کی اصیل تلوار لڑائی کے دن میان سے باہر نہیں نکلتی۔
۱۵-	تجربت بیفایدہ ست آنرا کہ برگردید بخت حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زمین	۱۵-	جب نصیبہ پلٹ گیا پھر اسکا امتحان کرنا بیفائدہ ہے اور جب زمین الٹ گیا پھر حملہ کرنا فضول ہے۔

١٦-	کرگسانند از پئے مردار دنیا جنگجو اے برادر گر خردمندی چو عنقا پر نشین	١٦-	یار و مردار دنیا کے لئے گدھ بن لڑ رہے ہیں اگر تم عقلمند ہو تو سیمرغ کی طرح الگ بیٹھو ۔

شیخ پر بعض امامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مستعصم باللہ جیسے نالایق اور ناشدنی خلیفہ کا مرثیہ لکھنا شیخ کی شان سے نہایت بعید تھا - اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ مستعصم باللہ میں دانائی نیکی اور انصاف بالکل نہ تھا - تکبر اور غرور نے اُسکے دماغ کو مختل کر دیا تھا - غفلت اور بے پروائی کی نوبت یہانتک پہونچی تھی کہ ایکبار اُس کے بیٹے ابوبکر نے اہل سنت کی حمایت اور طرفداری میں کرخ کے بنی ہاشم پر نہایت سخت ظلم اور تعدّی کی جس کے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر اُس نالائق خلیفہ نے اسکا کچھ تدارک نہ کیا - لیکن اس سے شیخ کے مرثیہ لکھنے پر کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا مستعصم باللہ کو کیسا ہی نالائق اور قابل نفرین سمجھو - مگر یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اُسکے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی حکومت دُنیا سے اُٹھ گئی بلکہ مشرق سے مغرب تک جہاں جہاں عرب کے قدم جمے ہوئے تھے ایکبارگی اُن میں تزلزل آگیا اور چند روز میں اُن کا اقتدار صفحۂ ہستی سے یکقلم محو ہوگیا - پس جس شخص کے رگ و پئے میں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی ملا ہوا تھا یا جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر اسلام کی حمیت تھی اُسکے لئے اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت ہوسکتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنی عم کا خون تاتاری حبشیوں کے ہاتھ سے آب باران کی طرح بہایا گیا اور جس عمارت کی بنیاد خلفائے راشدین کے

ہنرمند ہاتھوں نے ڈالی تھی وہ چشم زدن میں ایک خاک کا ڈھیر ہوگیا۔ شیخ نے حقیقت میں مستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں لکھا بلکہ اسلام کا مرثیہ لکھا ہے۔ اور اگر اس موقع پر حسان بن ثابت موجود ہوتے تو اُن کو بھی ایسا ہی مرثیہ لکھنا پڑتا۔ مستعصم کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہل وفا
کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا

القصہ شیخ مدرسہ نظامیہ سے نکلکر مدت دراز تک ایشیا اور افریقہ میں برابر سیر و سیاحت کرتا رہا۔ جب کتاب کے مطالعہ سے اُس کا جی سیر ہوگیا تو نسخۂ کائنات کا مطالعہ شروع کیا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اُس نے تیس برس کی عمر تک تحصیل علم کی ہے اور تیس برس سیر و سفر میں اور تیس برس تصنیف و تالیف میں اور تیس برس عزلت نشینی میں بسر کئے ہیں۔ اگرچہ تیس تیس برس کے چار مساوی حصے مقرر کرنے تکلف سے خالی نہیں۔ اور غالباً یہ مضمون منوشاستر سے اخذ کیا گیا ہے جسمیں عمر کو ایسے ایسے تین یا چار حصوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ شیخ کی عمر کا بڑا حصہ تحصیل علم اور سیر و سفر میں بسر ہوا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "شیخ عالم صوفیوں میں سے تھا اور علوم و آداب سے بہرۂ کامل رکھتا تھا"۔ اگرچہ اُسکی شہرت طبقۂ علما میں اسقدر نہیں ہوئی جسقدر زمرۂ شعرا میں ہوئی مگر اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک محقق اور سلجھا ہوا عالم تھا۔ بعض موقعوں پر فقہا اور قضاۃ کے مجمعوں میں اُسکو بحث و مناظرہ کا اتفاق ہوا ہے اور اخیر کو اُسکی رائے سب پر غالب رہی

ہے۔ ایکبار غالباً شام یا عراق کے کسی شہر میں جہاں اُس کے جان پہچان کم تھے کسی تقریب سے قاضی شہر کی مجلس میں اُسکا گذر ہوا۔ اُسوقت شیخ نہایت شکستہ حال تھا اور مجلس میں تمام عُلما و فقہا بکمال تزک و احتشام سے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے سب کے برابر جا بیٹھا۔ خُدام نے جھڑک کر وہاں سے اُٹھا دیا اور مشکل سے پائین مجلس جگہ ملی۔ اُسوقت کسی مسئلہ میں گفتگو ہو رہی تھی اور کسی سے وہ عُقدہ حل نہوتا تھا۔ شیخ نے دور ہی سے بآواز بلند کہا کہ اگر مجھکو اجازت ہو تو اسباب میں مَیں بھی کچھ کہوں۔ سب شیخ کی طرف متوجہ ہوگئے اور ایک کم حیثیت آدمی کی ایسی جرأت پر سب کو تعجب ہوا۔ شیخ نے اس مسئلہ کو بہت خوبی اور فصاحت سے بیان کیا۔ چاروں طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی قاضی نے مسند چھوڑ دی اور عمامہ سر سے اوتار کر شیخ کے سامنے رکھدیا۔ شیخ نے کہا یہ غرور کا اوزار مجھے نہیں چاہئے۔ جب لوگ مجھکو حقیر اور ذلیل معلوم ہونگے تو پھٹے پُرانے کپڑے والوں سے میں بھی تمہاری طرح ناک چڑھاؤں گا۔ اسی طرح اور بہت سے طعن اور ملامت کے الفاظ کہکر وہاں سے چلدیا۔ شیخ نے یہ اپنی سرگزشت بوستان میں اس طرح بیان کی ہے کہ گویا کسی غیر شخص کی سرگزشت ہے مگر اخیر کے شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے خاص اپنی رُوداد لکھی ہے*

شیخ کی تحصیل اور تبلیغ علم کا حال دریافت ہونا مشکل ہے مگر ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی تھی۔ زیادہ تر اُس کی ہمت دینیات اور علم سلوک و علم ادب کی جانب مصروف

رہی اور خاصکر وعظ اور خطابت میں جسکی تعلیم مدرسۂ نظامیہ میں باقاعدہ طور سے ہوتی تھی اُسکو عمدہ دستگاہ تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اُسکے ہم جماعت لوگ اُسکی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ بلاد شام میں اُسنے مدتوں وعظ کہا ہے۔ وُہ لکھتا ہے کہ میں ایکدفعہ جامع بعلبک میں وعظ کہہ رہا تھا اور اہل مجلس نہایت افسردہ دل تھے جن کو کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ میں اس آیت کے معنی بیان کر رہا تھا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ایک راہرو وہاں سے گزرا۔ اُسنے میرا بیان سُن کر ایک پُرجوش نعرہ مارا کہ اور لوگ بھی اُس کے ساتھ چیت گئے اور تمام مجلس گرم ہو گئی ؛

شیخ کو علاوہ علم و فضل کے اکثر زبانوں سے واقفیت تھی۔ عرب شام اور مصر وغیرہ میں رہتے رہتے وہاں کی زبان گویا اُسکی مادری زبان ہو گئی تھی۔ وعظ اور بحث و مُباحثہ اور تمام معاملات عربی زبان میں کرتا تھا۔ اور صرف روزمرّہ کی بول چال ہی پر قُدرت نہ تھی بلکہ عربی قصائد فصیح اور بامزہ اُسکے کُلّیات میں موجود ہیں۔ اس کے سوا بتخانۂ سومنات کے قصّہ میں اُس نے ایک جگہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ژند کی زبان جانتا تھا۔ سرگور اوسلی لکھتے ہیں کہ ایشیاٹک جنرل کے ایک پرچہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں فرانس کے مشہور محقق اگمارسن ڈی ٹیسی نے لکھا ہے کہ "سعدی پہلا شخص ہے جسنے ہندوستانی زبان یعنی ریختہ میں جبکہ وُہ سومنات اور گجرات میں آیا تھا شعر کہا ہے" مگر یہ ایک مغالطہ ہے جو نہ صرف محقق مذکور کو بلکہ اُس سے پہلے ہندوستان کے

تذکرہ نویسوں کو بھی ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ دکن میں بھی ایک شاعر سعدی تخلص اُس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ ریختہ کی بنیاد پڑنی شروع ہوتی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسکی وفات کو تقریباً چار سو برس گزرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ریختہ میں سب سے پہلے اُسنے شعر کہا ہے اور یہ تین شعر اُس کے مشہور ہیں ٭

اشعار

قشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے — گفتا کہ در اے باورے اس ملک کی یہ ریت ہے
ہمنا تمھن کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دُکھ دیا — ہم یہ کیا تم وُہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے
سعدی کہ گفتا ریختہ در ریختہ دُر ریختہ — شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

میرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرہ میں اِن اشعار کو شیخ سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے مگر حکیم قدرت اللہ خان قاسم نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اِس شخص کو سعدی شیرازی سمجھنا جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے دھوکا کھایا ہے محض غلط ہے ٭

سر گور اوسلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کی ایک نظم دیکھی گئی ہے جس میں اُسنے اٹھارہ مختلف زبانیں اُن ملکوں کی لکھی ہیں جہاں جہاں وُہ سیاحی کو گیا ہے" اس بیان میں ظاہرا کچھ مُبالغہ نہیں معلُوم ہوتا کیونکہ ایک مُدت دراز تک وہ ایشیا اور افریقہ کے مختلف مُلکوں میں سفر کرتا رہا ہے اور اکثر جگہ اُسنے بہت بہت دیر تک قیام کیا ہے۔ شام - عراق - فلسطین - مصر - یمن اور ہندوستان میں مُدت دراز تک مقام کرنا خود اُس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ وہ اِن مُلکوں کی زبان سے کافی واقفیت رکھتا ہو

اسکے سوا اُسنے اور بہت سے ملکوں کی سیر کی ہے جسمیں سے اکثر کا ذکر گلستان اور بوستان میں کیا ہے

شیخ کی سیاحت کا حال

سرگور اوسلی لکھتے ہیں کہ مشرقی سیاحوں میں ابن بطوطا کے سوا شیخ سعدی سے بڑھکر اور کوئی سیاح ہمنے نہیں سُنا۔ اُسنے ایشیاے کوچک۔ بربر۔ حبش مصر۔ شام۔ فلسطین۔ آرمینیا۔ عرب جملہ ممالک ایران۔ اکثر ممالک توران ہندوستان۔ رودبار۔ دیلم۔ کاشغر۔ اور جیحون سے آگے تک اور بصرہ و بغداد سے ستھفین وال[1] تک کی سیر کی تھی،، صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ "شیخ کو چار دفعہ ہندوستان میں آنے کا اتّفاق ہوا ہے۔ از انجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت میں اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی میں آیا ہے،، ہمارے نزدیک یہ مضمون محض بے سروپا ہے۔ اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہوا۔ شاید سلطان التمش کے دھوکے میں اغلمش لکھا گیا۔ بے شک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان میں ایک جگہ کیا ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ" سرہنگ زادۂ را بر در سراے اغلمش دیدم،، مگر ہندوستان میں کوئی اغلمش یا سراے اغلمش نہیں سُنی گئی۔ سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اکثر تذکرہ نویسوں کو یہ شُبہہ ہوا ہے۔ شیخ آذری نے بھی اپنی کتاب جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ امیر کے

---

[1] ستھفین وال سے مُراد شاید سدِ سکندری ہے کیونکہ شیخ نے ایک جگہ اپنے دیوان میں تصریح کی ہے کہ "میں سدِ سکندری تک گیا ہوں،،

دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا ہے۔ مگر اسکا کچھ ثبوت نہیں ہے بلکہ شیخ اور امیر خسرو کے عصر کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا امیر کے ملنے کے لئے آنا خلافِ قیاس ہے۔ خسرو کی ولادت ۶۵۱ ہجری میں ہوئی ہے جبکہ شیخ کی عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اب اگر امیر خسرو کی شہرت بفرضِ محال پچیس برس ہی کی عمر میں ایران تک پہنچ گئی تھی تو اسوقت شیخ کی عمر تقریباً سو برس کی ہونی چاہئے۔ پس یہ کیونکر خیال میں آتا ہے کہ ایک سو برس کا شیخ جو شاعری میں یگانۂ وقت اور مقبولِ خاص و عام ہو ایک پچیس برس کے لڑکے کی شہرت سنکر ایران سے ہندوستان میں آئے۔

البتہ معتبر حوالوں سے اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قاآن محمد سلطان ناظمِ ملتان نے جسکو خان شہید کہتے ہیں۔ شیخ سے دوبار درخواست کی کہ آپ شیراز سے یہاں آئیے۔ اور چونکہ امیر خسرو اُسوقت محمد سلطان کے مصاحبوں میں تھے اسلئے اُن کا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لئے بھیجا۔ شیخ اُسوقت بہت معمّر ہو گیا تھا اس سبب سے خود نہ آسکا۔ لیکن دونو دفعہ اپنے دو دیوان اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے خان شہید کو بھیجے اور امیر خسرو کی نسبت یہ لکھا کہ اس جوہرِ قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے۔

شیخ کا ہندوستان میں چار دفعہ آنا بھی ثابت نہیں ہے۔ صرف بوستان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے سومنات سے نکلکر ایکبار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا ہے اور وہاں سے بحرِ ہند اور بحرِ عرب کی راہ یمن اور حجاز میں پہنچا ہے +

شیخ کے سفر جس قدر گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے کہ مشرق میں خُراسان تُرکستان اور تاتار تک گیا ہے اور بلخ و کاشغر وغیرہ میں مقیم رہا ہے۔ جنوب میں سومنات تک آیا اور ایک مُدّت تک یہاں ٹھیرا اور سومنات سے مغربی ہندوستان میں پھر کر دریا کی راہ سے عرب کو چلا گیا۔ شمال اور مغرب کی طرف عراقِ عجم۔ آذربیجان۔ عراقِ عرب۔ شام۔ فلسطین۔ اور ایشیائے کوچک میں بارہا اُس کا گزر ہوا ہے۔ اصفہان۔ تبریز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ واسط۔ بیت المقدس۔ طرابلس الشرق۔ دمشق۔ دیاربکر۔ اور اقصائے روم کے شہروں اور قریوں میں مُدّت دراز تک اُسکی آمد و رفت رہی ہے۔ مغرب کی جانب عرب اور افریقہ میں اُسکا بار بار جانا اور وہاں ٹھیرنا معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے مراجعت کے وقت یمن میں جانا۔ صنعا میں ایک مُدّت تک قیام کرنا۔ حجاز میں پہنچنا۔ اسکندریہ مصر اور حبش کے واقعات اُسکے کلام میں مذکور ہیں۔

شیخ نے دریا میں بھی بارہا سفر کیا ہے۔ خلیج فارس۔ بحرِ عمان۔ بحرِ ہند۔ بحرِ عرب۔ بحرِ قلزم اور بحرِ روم میں اُس کے مُتعدد سفر ثابت ہوتے ہیں۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ وہ یورپ کے اکثر ملکوں میں پھرا ہے لیکن شیخ کے کلام سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے ہیں اور خود شیخ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے وہ ایک سفر کا حال بوستان میں اِسطرح لکھتا ہے کہ بیابانِ فید میں ایک رات نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں چلتے چلتے سرِ راہ پڑ کر

سو رہا - پیچھے سے ایک شتر سوار آیا اور اُسنے اونٹ کی نکیل میرے سر پر مار کر کہا کہ کیا تو نے مرنے کا ارادہ کیا ہے جو جرس کی آواز سُنکر بھی نہیں اُٹھتا -

بیابان فید جسکا اس حکایت میں ذکر ہے ایک صحراے لق و دق چھہ سو میل لمبا اور چار سو میل چوڑا ہے - جو حجاج کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں اُنکے رستہ کے بیچوں بیچ فید ایک بستی ہے جسکے نام سے یہ صحرا مشہور ہے - فید کوفہ سے تقریباً تین سو پچیس میل ہے اور اسیقدر مسافت پر وہاں سے مکہ معظمہ ہے - اِس صحرا میں پانی نہایت کمیاب ہے اور آبادی کہیں نظر نہیں آتی ایسی راہ سے پیادہ پا حج کو جانا ظاہر کرتا ہے کہ شیخ نے کیسی کیسی صعوبتیں سفر میں اُٹھائی ہیں ❊

کریم خان زند نے اپنے عہدِ حکومت میں شیراز کے قریب ایک احاطہ بنوایا ہے جو ہفتن کے نام سے مشہور ہے اُسمیں سات مجہول الاسم درویشوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں اور احاطہ کے دروازہ پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کی شبیہیں نصف قد کی لگی ہوئی ہیں - کپتان کلارک نے جو بوستان کا ترجمہ انگریزی میں چھاپا ہے اُس میں شیخ کی اُس تصویر[1] کا فوٹوگراف بھی چھاپا ہے شیخ کی شبیہ میں ایک کشکول اُسکے ہاتھ میں اور ایک تبر اُسکے کندھے پر ہے جو کہ اُس ملک کے سفر کرنے والوں کی خاص علامت ہے -

شیخ کے کلام سے بھی جابجا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے سر و سامان اور متوکل درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے - اور بعض موقعوں پر اُس کو

---

[1] بنی صاحب ایک سیاح نے اپنے ایران کے سفرنامہ میں اس تصویر کا حال مفصل لکھا ہے ❊

حالت سفر میں نہایت سخت تکلیفیں اور ایذائیں پہنچی ہیں ؎

ساتویں صدی ہجری اور بارھویں صدی عیسوی کے وسط میں جبکہ صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ فلسطین میں ختم ہوا تھا اور مسلمان اور عیسائیوں کے باہم سخت خصومت اور عداوت ہو رہی تھی شیخ پر ایک سخت واقعہ گزرا ہے جسکا ذکر گلستاں کے دوسرے باب میں کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایکبار اہل دمشق سے ناراض ہوکر اُسنے بیابان قدس یعنے فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا تھا اور آدمیوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ آخر وہاں کے عیسائیوں نے اُسکو پکڑ کر قید کرلیا۔ اُسوقت طرابلس الشرق یعنی مشرقی ٹریپولی میں شہر کے استحکام اور حفاظت کے لئے خندق تیار ہو رہی تھی اور یہودی اسیروں سے (جنکو یوروپ کے عیسائی بلگیریا اور ہنگری وغیرہ سے گرفتار کرکے ساتھ لائے تھے) مزدوری کا کام لیا جاتا تھا۔ شیخ کو بھی یہودیوں کے ساتھ خندق کے کام پر لگایا۔ مُدت کے بعد حلب کا ایک معزز آدمی جو شیخ کا واقفکار تھا اُس طرف سے گزرا اور شیخ کو پہچان کر اُس سے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے۔ شیخ نے کچھ دردانگیز اشعار پڑھے اور یہ کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جو شخص یگانوں سے کوسوں بھاگتا تھا وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ رئیس حلب کو اُس کے حال پر رحم آیا اور دس دینار دیکر شیخ کو قیدِ فرنگ سے چھوڑا دیا اور اپنے ساتھ حلب میں لے گیا۔ اُسکی ایک بیٹی ناکتخدا تھی۔ شیخ کا نکاح سو دینار مہر مقرر کرکے اُسکے ساتھ کر دیا۔ کچھ مُدت وہاں گذری۔ مگر بیوی کی بدمزاجی اور زبان درازی سے شیخ کا دم

تاک میں آگیا - ایکبار اُسنے شیخ کو یہ طعنہ دیا کہ کیا آپ وہی نہیں ہیں جسکو میرے باپ نے دس دینار دیکر خریدا ہے؟ شیخ نے کہا ہاں بیشک میں وہی ہوں دس دینار دیکر مجھے خریدا اور سو دینار پر آپکے ہاتھ بیچا ❊

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے شہروں میں سقائی کی ہے - غالباً یہ وہی زمانہ ہے جسکا ذکر اس حکایت میں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُسپر ایسی ایسی تکلیفیں اور سختیاں اکثر گذری ہیں - وہ گلستاں میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے کبھی زمانہ کی سختی اور آسمان کی گردش کا شکوہ نہیں کیا - مگر ایک موقع پر دامن استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا کہ نہ میرے پاؤں میں جوتی تھی اور نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا - اسی حالت میں غمگین اور تنگدل کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا - وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ جس کے پاؤں ہی سرے سے نہ تھے - اُسوقت مینے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ننگے پاؤں غنیمت سمجھے ❊

عالمِ غربت میں کبھی کبھی عسرت اور تنگی کا ہونا ایک لازمی امر تھا مگر شیخ ایسے موقعوں پر خودداری کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا - ایکسال اسکندریہ میں جب کہ شیخ وہاں موجود تھا نہایت سخت قحط پڑا اور درویشوں پر بہت سختی گذرنے لگی - اُس زمانہ میں وہاں ایک ہیجڑا نہایت دولت مند تھا - غریبوں اور پردیسیوں کو اُسکے ہاں سے کھانا یا نقدی ملتی تھی - کچھ درویش جو غالباً شیخ کے رفقا میں سے تھے شیخ کے پاس آئے اور اُس ہیجڑے کے ہاں دعوت میں چلنے کی تحریک کی - شیخ نے اُن کے ساتھ دعوت میں چلنے سے

اِنکار کیا اور یہ کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے تو بھی کُتے کا جھوٹا نہیں کھاتا۔

شیخ کے وقائع سفر میں جو کہ اُسنے گُلستاں اور بوستاں میں بیان کئے ہیں سب سے زیادہ عجیب سومنات کا واقعہ ہے جو بوستان کے آٹھویں باب میں مذکور ہے یعنی شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں سومنات میں پہنچا اور ہزاروں آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بُت کی پرستش کے لئے دُور دُور سے وہاں آتے ہیں اور اُس سے مُرادیں مانگتے ہیں تو مجھکو تعجب ہوا کہ جاندار ایک بیجان چیز کی کس لئے پرستش کرتے ہیں۔ اِس بات کی تحقیق کے لئے میں نے ایک برہمن سے ملاقات پیدا کی۔ ایکروز اُس سے پوچھا کہ یہ لوگ اِس بیجیں مُورت پر کیوں اِسقدر فریفتہ ہیں اور اُس کے سامنے مُورت کی سخت مذمت اور حقارت کی۔ برہمن نے مندر کے پوجاریوں کو خبر کردی۔ سب نے مجھکو آنکر گھیر لیا۔ میں نے مصلحۃً اُن کے سرگروہ سے کہا کہ مینے کوئی بات بداعتقادی سے نہیں کہی۔ میں خود اِس مُورت پر فریفتہ ہُوں لیکن چونکہ میں نووارد ہُوں اور اسرارِ نہانی سے ناواقف ہُوں اِسلئے اِس کی حقیقت دریافت کرنی چاہتا ہُوں تاکہ سمجھ بوجھ کر اس کی پوجا کروں۔ اُسنے یہ بات پسند کی اور کہا کہ آج رات کو تُو مندر میں رہ۔ تجھ کو اصل حقیقت معلوم ہوجائیگی۔ میں رات بھر وہاں رہا۔ صبح کے قریب تمام بستی کے مرد و عورت وہاں جمع ہوگئے اور اُس مُورت نے اپنا ہاتھ اُٹھایا جیسے کوئی دعا مانگتا ہے یہ دیکھتے ہی سب جے جے پکارنے لگے۔

جب وُہ لوگ چلے گئے تو برہمن نے ہنسکر مجھ سے کہا "کیوں اَب تو کچھ شبہہ باقی نہیں رہا؟ مَیں ظاہرداری سے رونے لگا اور اپنے سوال پر شرمندگی اور انفعال ظاہر کیا۔ سب برہمنوں نے مجھ پر مہربانی کی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اُس مُورت کے سامنے لیگئے۔ مینے مُورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور بظاہر چند روز کے لئے برہمن بنگیا۔ جب مندر میں میرا اعتبار بڑھ گیا تو ایکروز رات کو جب سب چلے گئے مینے مندر کا دروازہ تو بند کر دیا اور مُورت کے تخت پاس جاکر غور سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں مجھے ایک پردہ نظر آیا جسکے پیچھے ایک پوجاری چھپا ہوا بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ معلُوم ہوا کہ جب اُس ڈور کو کھینچتا ہے فوراً اُس مُورت کا ہاتھ اُٹھ جاتا ہے اسی کو عام لوگ اسکا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اُس پوجاری نے جب دیکھا کہ راز فاش ہوگیا وُہ کھسیانا سا ہوکر وہاں سے بھاگا۔ میں بھی اُس کے پیچھے دَوڑا اور اِس خوف سے کہ کہیں مجھکو پکڑوا کر مروا نہ ڈالے اُسکو پکڑ کر ایک کنُوے میں گرا دیا۔ اِسکے بعد میں فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور ہندوستان میں ہوتا ہوا یمَن کے رستے حجاز میں پہنچا +

اِس حکایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایک ایسے بڑے مندر میں جہاں ہزاروں پوجاری اور سیکڑوں بھجن گانے والے مرد اور عورت اور سیکڑوں حاجتی شب و روز مُوجود رہتے تھے وہاں ایک مشتبہ آدمی کو ایسا موقع کیونکر ملا کہ تمام مندر میں اُس کے سوا کوی مُتنفّس باقی نہ رہا۔ اِسکے سِوا ایسے سنّاٹے کے وقت جبکہ مندر میں کوئی مُتنفّس مَوجُود

نہ تھا پردہ کے پیچھے ایک پوجاری کا ڈور تھام کر بیٹھنا کس غرض سے تھا اور کیوں تھا۔

اِس اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید اصل واقعہ یعنی سومنات میں جانا اور مندر میں ہندو بنکر رہنا اور ایک شخص کو اپنی جان کے خوف سے کنوے میں دھکیل کر بھاگ جانا صحیح ہو مگر اِس صورت میں یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اِس واقعہ کے تمام جزئیات کی تصویر شیخ سے پوری پوری نہیں کھچ سکی۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ نظم میں بیان کیا جاتا ہے تو شاعر کو اکثر وزن و قافیہ کی ضرورت سے کہیں کہیں اصل مدّعا میں ضرور کمی بیشی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات وہ شاعرانہ خیالات کی رَو میں بہکر اصل واقعہ سے دور پڑ جاتا ہے۔ پس اگر اُس واقعہ سے کسیکی غرض متعلق نہیں ہوتی تو کسیکو اُسکی طرف التفات نہیں ہوتا۔ ورنہ اہل غرض کو اُسپر اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مثلاً شیخ نے بوستان کے اسی باب میں ایک بادشاہ زادہ کی حکایت صرف گیارہ بیت کی لکھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھوڑے سے گرکر اُسکی گردن کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ ہر پھر نہ سکتی تھی مگر ایک حکیم کے علاج سے اچھی ہوگئی۔ کسی قدر صحت کے بعد جب طبیب ملنے کو آیا تو اُس کی طرف کچھ التفات نہ کیا۔ طبیب وہاں سے دل میں ناخوش ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے روز ایک دوا بھیجی کہ اِس کی دھونی سے بالکل آرام ہوجائیگا۔ اُس سے بادشاہ کو ایک چھینک آئی اور اُسکی گردن جیسی چوٹ لگنے پر ہوگئی تھی ویسی ہی پھر

ہوگئی۔ اسی حکایت کو شیخ نے ایک اور ۴۷ بیت کی مثنوی میں جو بحر ہزج میں ہے بیان کیا ہے اور یہ اُسکی کلیات میں موجود ہے۔ اِن دونوں مثنویوں میں قصّہ کے جزئیات مختلف ہیں۔ مختصر حکایت میں سرزمین یونان کا حکیم اور طولانی حکایت میں صرف حکیم لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بوٹی بھیجی تھی۔ اور دُوسری جگہ ایک تخم بھیجا تھا۔ ایک جگہ بادشاہ کا قصّہ لکھا ہے۔ اور دوسری جگہ ایک نبرد آزما کا۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ اُسی دوا کی دھونی سے چھینک آئی دوسری جگہ چھینک وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں ✤

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ نظم میں بشرطیکہ ناظم کو حسن بیان اور زینتِ الفاظ کا پورا پورا خیال ہو قصّہ کے جزئیات کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا نہایت دشوار ہے۔ پس بہ نسبت اسکے کہ شیخ پر غلط بیانی کا الزام لگایا جاے یہ بہتر ہے کہ اُس کے بیان کو اِس مقام پر اداے مطلب میں قاصر سمجھا جاۓ ✤

شیخ کا سفر کے بعد وطن میں آنا

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شیخ نے سعد زنگی کے ابتداے حکومت میں تحصیل علم کے لئے ترکِ وطن اختیار کیا تھا۔ سعد زنگی چھٹی صدی کے آخر میں تخت نشین ہوا اور سنہ ۶۲۳ ہجری میں وفات پائی۔ غالباً شیخ شیراز سے نکلکر سعد زنگی کے زمانہ میں وطن نہیں آیا۔ کیونکہ اُس نے شیراز سے چلتے وقت وہاں کی حالت نہایت ابتر و خراب دیکھی تھی۔

اتابک اوزبک پہلوان اور سلطان غیاث الدین کے حملے اور شہر کا تاخت و تاراج ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ گیا تھا - مگر جب سعد زنگی کا بیٹا قتلغ خان ابوبکر اپنے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اُسنے فارس کو جو دو سو برس سے مورد آفات و حوادث تھا چند روز میں سرسبز و شاداب کر دیا - اگرچہ مؤرخین نے اسکی تعریف میں بہت مبالغے کئے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ اُس نے اپنی خوبیوں کے سبب بے انتہا شہرت اور نیکنامی حاصل کی تھی - اطراف و جوانب سے مشائخ و زہاد اُسکی شہرت سنکر آتے اور اُن کی کمال تعظیم و احترام کیا جاتا تھا شیراز کی خانقاہیں - عبادتخانے - مدرسے - اور مسجدیں جو ویران ہوگئی تھیں اُسکے عہد میں آباد کی گئیں - اور ایسی عمارتوں کی امداد کے لئے گانو اور جاگیریں وقف کیں - ایک شفاخانہ شیراز میں بنوایا اور بڑے بڑے حاذق طبیب اُس پر مور کئے - اپنی دانشمندی اور حسن تدبیر سے ملک فارس کو ہمیشہ مغول تاتار کی سیلاب بلا سے جسکی کہیں پناہ نہ تھی محفوظ رکھا - اور ۶۲۳ سے ۶۵۸ھ تک سلطنت کی - مدت تک اُس کے عہد میں بھی شیخ نے شیراز کا رخ نہیں کیا اور اطراف و جوانب میں سیر و سیاحت کرتا رہا - مگر جب ابوبکر کا مشہور دور و نزدیک برابر سننے میں آیا اور وطن کا اشتیاق بھی حد سے زیادہ گذر گیا اور وطن میں قرار واقعی امن و امان قائم ہوگیا تب شام سے عراق عجم ہوتا ہوا اور اصفہان میں ٹھیرتا ہوا جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے مفہوم ہوتا ہے شیراز میں پہنچا - شیخ کے کلیات میں ایک قطعہ ملتا ہے جس سے ثابت ہے کہ اُسنے ایک مدت دراز کے بعد ابوبکر سعد کے عہد

میں شیراز کیطرف معاودت کی تھی - وہ قطعہ بجنسہ یہاں نقل کیا جاتا ہے

قطعہ

۱-	ندانی کہ من در اقالیم غربت چرا روزگارے بکردم درنگی	ترجمہ ۱-	تجھکو معلوم نہیں؟ کہ میں نے پردیس میں ایک مدت تک کیوں توقف کیا۔
۲-	برون رفتم از تنگ ترکاں کہ دیدم جہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی	۲-	میں ترکوں کی چپقلش سے نکل بھاگا کیونکہ ملک حبشی کے بالوں کیطرح ژولیدہ ہو رہا تھا۔
۳-	ہمہ آدمی زاد بودند لیکن چو گرگاں بخونخوارگی تیز چنگی	۳-	سب آدمی کے بچے تھے لیکن خونخواری میں بھیڑیوں کی طرح تیز ناخن رکھتے تھے۔
۴-	درون مردمے چوں ملک نیک محضر برون لشکرے چوں ہژبران جنگی	۴-	شہر کے اندر فرشتہ خصلت لوگ تھے اور باہر لشکر کے لوگ جنگی شیروں کے موافق تھے۔
۵-	چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی	۵	جب میں پلٹ کر آیا تو ملک کو آسودہ پایا کہ درندوں نے درندگی کی خصلت چھوڑ دی تھی۔
۶-	چناں بود در عہد اول کہ دیدم جہاں پر ز آشوب و تشویش و تنگی	۶-	اگلے زمانہ میں جبکہ ملک کو آشفتہ اور پریشان اور تنگ دیکھا تھا ملک کا

			وُہ حال تھا۔
۷۔	چنیں شد در ایّام سلطان عادل اتابک ابوبکر بن سعد زنگی	۷۔	اور اب بادشاہ عادل ابوبکر بن سعد زنگی کے عہد میں یہ حال ہو گیا ہے ÷

شیراز میں پہنچکر طاہر شیخ نے جامۂ علم وفضیلت اُتار کر بالا سے طاق رکھدیا تھا کیونکہ اتابک ابوبکر میں باوجود اُن تمام خوبیوں کے جو اوپر مذکور ہوتیں ایک نہایت سخت عیب بھی تھا۔ وُہ ہمیشہ عُلما وفضلاء سے بدگمان رہتا تھا اور جاہل فقیروں اور درویشوں کو بہت کچھ دیتا اور اُن کے ساتھ کمال ارادت وعقیدت ظاہر کرتا۔ اِسی بدگمانی کے سبب سے چند جلیل القدر آئمہ وعُلما کو اُسنے جبراً شیراز سے نکلوا دیا تھا۔ ازانجملہ امام صدر الدین محمُود واعظ اور امام شہاب الدین توریشتی اور مولانا عزّ الدین ابراہیم قیسی کو کہ اقسام علوم میں یگانۂ روزگار تھے بہت زجر وتہدید کے ساتھ شیراز سے نکلوا دیا۔ قاضی عزّ الدین علوی جو کہ سندی سیّد اور دار الملک کا قاضی القضاۃ تھا اُس کا تمام مال واسباب ضبط کر لیا۔ صاحب سعید عمید الدین اسعد کو جو کہ بے مثل ادیب تھا اور سعد زنگی کا نہایت عالی مرتبہ وزیر تھا ماخوذ کیا اور مع اُس کے بیٹے تاج الدین محمّد کے ایک قلعہ میں قید کر دیا یہاں تک کہ وُہ قید ہی میں مر گیا ÷

اِسی سبب سے اہل علم اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اور اکثر جہلا مشائخ کے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے۔ تاریخ وصّاف میں لکھا ہے کہ

ایک جاہل آدمی شیخت مآب بنکر ابوبکر کے دربار میں آیا - اتابک نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب نماز مغرب کا وقت آیا تو اُسی کو امام بنایا - شاہ صاحب نے قرأت غلط پڑھی مگر جسقدر اُنہوں نے قرأت میں غلطیاں کیں اُسی قدر اتابک کو اُن کے ساتھ زیادہ عقیدت ہوئی اور بہت کچھ دیکر اُنہیں رخصت کیا ٭

پس شیخ کے لیئے علما کے لباس میں رہنا زیادہ خطرناک تھا کیونکہ بہت سی صفات اُس میں ایسی جمع تھیں جن کے سبب سے اُسکا مرجع خلائق بننا ایک ضروری امر تھا - مثلاً علم و فضل - شاعری - لطیفہ گوی و بذلہ سنجی فقر و درویشی وغیرہ وغیرہ اور اہل علم کے مرجع خلائق بننے سے ابوبکر ہمیشہ خائف رہتا تھا - اِسکے علاوہ بادشاہوں اور عالموں کے چال چلن پر خوردہ گیری کرنی - ریاکار فقیروں اور جاہل درویشوں کی قلعی کھولنی اور اسی طرح کے اور بہت سے مفید خیالات اپنی نظم و نثر میں ظاہر کرنے شیخ کا اصلی مقصد تھا اور اس غرض کے لیئے علما اور واعظین کے لباس میں رہنا ہرگز مناسب نہ تھا ظاہرا وہ اسی سبب سے جیساکہ گلستان کے دیباچہ میں مذکور ہے - ابوبکر کے دربار میں بہت کم جاتا تھا - زیادہ تر سعد بن ابی بکر کو جسکا نہایت دردناک مرثیہ شیخ کے کلیات میں موجود ہے اُس سے ارادت اور عقیدت تھی اور اُسی کے نام پر گلستان لکھی گئی ہے -

خود مختار سلطنتوں میں کوئی شئے رائے کی آزادی اور خاصکر بادشاہوں کے چال چلن پر آزادانہ رائے دینے سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتی - مگر شیخ نے

جسکے وقت میں ہر بادشاہ حاکم علی الاطلاق تھا اس فرض کو پورا پورا ادا کیا۔ سلاطین عہد کے اخلاقی عیب اور اُن کی بدخصلتیں جسطرح اُسنے بیان کی ہیں آزاد سلطنتوں میں بھی اُس سے زیادہ لکھنی مشکل ہیں مگر اُسنے ایسے لطیف پیرایوں میں اُنپر چوٹیں کی ہیں کہ کسیکو اُسپر گرفت کا موقع نہیں ملا۔

اکثر سلاطین سلف کی حکایتوں کے ضمن میں موجودہ بادشاہوں کے چال چلن پر اُسنے تعریضیں کی ہیں۔ کہیں مدحیہ قصائد میں اول مدح وستائش کی تھوڑی سی چاٹ دیکر نصیحت وپند کا دفتر کھولا ہے اور اُن کو ظلم اور تعدی کے بُرے نتایج سے مُتنبہ کیا ہے اور طرح طرح سے رعیت کے حُقوق جتائے ہیں۔ اور اُن کی بے اعتدالیاں ظاہر کی ہیں۔ اتابک جو علما کا مخالف اور مشائخ وزہاد کا حد سے زیادہ معتقد تھا اُسکی تنبیہ کے واسطے گلستان اور بوستان میں اُسنے بہت سی حکایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً گلستان کی ایک حکایت میں کسی درویش کا حال لکھا ہے جوکہ جنگل میں رہتا تھا اور درختوں کے پتے کھاتا تھا۔ ایک بادشاہ اُس کی زیارت کو گیا اور اُس کو شہر میں لے آیا اور ایک عمدہ بُستان سرا میں اوتارا۔ چندروز جو اچھے اچھے کھانے کھانیکو اور نفیس کپڑے پہننے کو اور خوبصورت لونڈیاں خدمت کرنے کو ملیں اور ہر طرح کا آرام اور آسایش پائی شاہ صاحب نے خوب رنگ وروغن نکالا۔ ہیئت اور صورت بالکل بدل گئی۔ ایکدن بادشاہ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور کہا جسقدر کہ مجھکو علما اور زہاد سے محبت ہے ایسی اور کسی گروہ سے نہیں فیلسوف وزیر نے عرض کیا حضور! شرط دوستی یہ ہے کہ دونوں کے

ساتھ بھلائی کیجائے اور اسلئے علما کو روپیہ دینا چاہئے تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو کچھ نہ دینا چاہئے تاکہ وہ اپنے زہد پہ قائم رہیں۔

ایک اور اس سے زیادہ لطیف اور چبھتی ہوئی حکایت اسی باب میں لکھی ہے جو بالکل اتابک ابوبکر کی حالت کے مناسب ہے یعنی "ایک بادشاہ کو سخت مہم پیش آئی اُسنے منت مانی کہ اگر اس میں کامیابی ہوگی تو اسقدر روپیہ زاہدوں کی نذر کروں گا جب اُس کی مُراد پوری ہوگئی تو اپنے عہد کے موافق روپیوں کی تھیلی غلام کو دی کہ زاہدوں کو جاکر دے آئے غلام بہت ہوشیار اور زیرک تھا۔ سارے دن اِدھر اُدھر پھرا اور شام کو تھیلی ہاتھ میں لئے جیسا گیا تھا ویسا ہی چلا آیا اور عرض کیا حضور! ہرچند ڈھونڈا مگر کوئی زاہد نہیں ملا۔ بادشاہ نے کہا تو کیا بکتا ہے! میرے نزدیک اِس شہر میں چارسو زاہد سے کم نہونگے کہا حضور! جو زاہد ہیں وُہ تو لیتے نہیں اور جو لیتے ہیں وہ زاہد نہیں۔ بادشاہ یہ بات سُنکر ہنس پڑا اور فرمایا حقیقت یہ کہ مجھکو درویشوں اور خُداپرستوں سے عقیدت ہے اُسی قدر اِس مردود کو اُن سے عداوت ہے مگر کہتا سب سچ ہے" اِسی طرح کی اور بہت سی حکایتیں گلستان اور بوستان میں موجود ہیں۔ گلستان کی ایک حکایت میں جو کہ جدالِ سعدی کے نام سے مشہور ہے اُس نے نہایت خوبصورتی سے سلاطینِ عہد اور مشائخ روزگار کے عیب اور برائیاں بیان کی ہیں۔ اِس حکایت میں اُسنے اپنا اور ایک درویش کا غالباً فرضی مناظرہ

لکھا ہے جسمیں مخالف کو درویشوں کا اور اپنے کو امیروں اور بادشاہوں کا طرفدار اور مدّاح قرار دیا ہے مخالف باربار درویشوں کی تعریف اور دولتمندوں کی مذمت کرتا ہے اور شیخ ہر دفعہ اُس کی تردید میں درویشوں کے عیب اور امیروں کی خوبیاں بیان کرتا ہے مگر جیسی مضبوط دلیلیں اپنے دعوے پر قائم کرتا ہے ویسی ہی مضبوط دلیلیں خصم کی طرف سے لکھتا ہے - اور اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرضی مناظرہ ہے جو محض درویشوں اور تونگروں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے۔

بادشاہوں کے جور وظلم اور بیباکی وسفاکی دیکھتے دیکھتے شیخ کے دل میں فی الواقع بنی نوع کی خیرخواہی کا سچا جوش پیدا ہو گیا تھا جسکو کوئی خوف اور اندیشہ روک نہ سکتا تھا - ایکبار جبکہ وہ حج کرکے تبریز میں پہنچا اور وہاں کے علما اور صلحا سے ملاقات کی اُس نے یہ ارادہ کیا کہ خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُس کا چھوٹا بھائی خواجہ علاء الدین جوینی جو کہ سلطان اباقاخان[1] کے معتمد وزیر تھے اور شیخ کے ساتھ خاص ارادت رکھتے تھے اُن سے بھی ملاقات کرے - ایک روز اُن سے ملنے کا ارادہ کرکے چلا - راہ میں دیکھا کہ اباقاخان کی سواری آتی ہے اور اُس کے دونوں وزیر اُس کے ہمراہ سوار ہیں - شیخ نے چاہا کہ وہاں سے کترا کر نکل جائے - مگر دونوں بھائیوں نے اُس کو پہچان لیا اور

[1] ہلاکو خان کا بیٹا جو اُسکے بعد بادشاہ ہوا۔

فوراً گھوڑوں سے اُتر کر شیخ کی طرف آئے اور نہایت تعظیم اور ادب سے شیخ کو
سلام کیا اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیئے بادشاہ نے جو یہ حال
دیکھا حاضرین سے کہنے لگا کہ شمس الدین نے کبھی ہماری تعظیم بھی اس راہرو
آدمی کے برابر نہیں کی یہ کون شخص ہے؟ جب دونوں بھائی شیخ سے ملکر
واپس آئے تو اباقاخان نے خواجہ شمس الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا
جسکی تمنے اسقدر تعظیم کی صاحب دیوان نے عرض کیا حضور یہ ہمارا شیخ
ہے حضور نے سنا ہوگا شیخ سعدی اسی کا نام ہے اور اس کا کلام ایک عالم
میں مشہور و معروف ہے - اباقاخان نے کہا اس سے ہمکو بھی ملواؤ چنانچہ
دونوں بھائی ایکروز شیخ کی خدمت میں گئے اور اُس کو بادشاہ کے حضور
میں لائے - کسی قدر صحبت کے بعد جب شیخ چلنے لگا تو بادشاہ نے کہا کہ مجھکو
کچھ نصیحت کرو - شیخ نے کہا دنیا سے آخرت میں کوئی چیز ساتھ نہ جائیگی -
مگر نیکی یا بدی - اب تم کو اختیار ہے جو منظور ہو سو لیجاؤ - اباقاخان نے کہا
اس مضمون کو نظم کر دو تو بہتر ہو - شیخ نے اُسی وقت یہ قطعہ نظم کر کے
پڑھا + قطعہ

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی ست
وگرنہ راعی خلق است - زہر مارش باد کہ ہرچہ میخورد از جزیۂ مسلمانی ست

اباقاخان یہ قطعہ سنکر آبدیدہ ہوگیا اور کئی بار شیخ سے پوچھا کہ میں راعی ہوں
یا نہیں؟ شیخ ہر بار یہی جواب دیتا تھا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلی بیت
آپکے مناسب حال ہے ورنہ دوسری بیت - اباقاخان شیخ کی

آزادانہ پند و موعظت سے نہایت خوش ہوا اور شیخ کو بہت عزت سے رخصت کیا"۔

علی بن احمد جامع کلیات شیخ اس مقام پر لکھتا ہے کہ ہمارے زمانہ کے مشائخ و علما ایسی بیباکانہ نصیحت ایک بقال یا قصاب کو بھی نہیں کر سکتے اور اسی لئے زمانہ کا جو حال ہے وہ سب پر روشن ہے"

مَیں کہتا ہوں کہ شیخ کے یہ کلمات اُسوقت اور بھی زیادہ قدر کے لائق ہو جاتے ہیں جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اباقاخان ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اگرچہ اباقاخان کو مسلمانوں سے ویسی نفرت نہ تھی لیکن بہر حال وہ اسلام سے بیگانہ تھا اور ایک مسلمان شیخ یا واعظ کو اُس کے سامنے ایسی جرأت کرنی نہایت دشوار تھی ایسا کام اُسی شخص سے ہو سکتا ہے جسکو نہ جان کا خوف ہو نہ فائدہ کی امید جیسا کہ شیخ نے گلستان میں خود لکھا ہے "نصیحت پادشاہان گفتن کسے را مسلم است کہ بیم سر ندارد و امید زر"۔

مرد انکیانو جو بعد زوال خاندان اتابکیہ کے ۶۶۲ ہجری میں سلطان اباقاخان کے حکم سے صوبہ فارس کی امارت اور حکومت پر مقرر ہوا تھا۔ ایک مغل صاحب ہیبت و شان۔ نہایت رعب داب والا اور اپنے مذہب میں نہایت پختہ تھا۔ اور ہمیشہ علماے اسلام سے مذہبی بحثیں کیا کرتا تھا۔ اور اُس کی ہیبت سے بڑے بڑے اہل منصب لرزتے تھے۔ غالباً اُس نے شیخ سے درخواست کی تھی جسکے موافق شیخ نے نثر میں ایک پندنامہ جو اُس کے کلیات میں موجود ہے

سردار مذکور کے نام لکھکر بھیجا ہے - اس پندنامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ - حاکم اور عامل شیخ کے کلام کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُس کی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے - سردار انکیانو کے شان میں شیخ نے قصائد بھی لکھے ہیں جو سراسر نصیحت و پند سے بھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض قصائد دو تین مدحیہ اشعار کے سوا سراسر پند و موعظت ہی میں ختم کر دئیے ہیں*

شیخ کی عقیدت و ارادت ممالک ایران کے سوا شام وغیرہ میں بھی ایسی ہی تھی جیسی فارس اور عراق عجم میں - چنانچہ ایک دفعہ شیخ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت یحییٰ کی تربت پر معتکف تھا - عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا مسجد میں آیا اور نماز و دعا سے فارغ ہو کر شیخ کے پاس گیا اور کہا مجھکو ایک سخت دشمن سے حملہ کا اندیشہ ہے آپ میرے لئے دعا کریں - شیخ نے کہا کمزور رعیت پر رحم کر تا کہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے - جسنے بدی کا بیج بویا اور نیکی کی امید رکھی اسنے ایک لغو خیال پکایا اور بیہودہ امید باندھی ہے*

اگرچہ سلطنت عہد کے اعیان و ارکان میں شیخ کے معتقد و ارادتمند بیشمار تھے لیکن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان جسکے نام پر شیخ نے اپنے ایک مجموعہ نظم کا نام صاحبیہ رکھا ہے اور اُس کا بھائی علاء الدین جسنے سب سے اول مغول تاتار کی فتوحات کے بیان میں تاریخ جہانکشا لکھی ہے شیخ کے ساتھ ایک خاص قسم کا خلوص اور محبت یا عقیدت رکھتے تھے -

اِس مقام پر کچھ مختصر حال اِن دونوں بھائیوں کا لکھنا مُناسب معلوم ہوتا ہے ॥

جُوین جو کہ خُراسان میں ایک سر سبز اور معمور خطّہ تھا - یہ دونو بھائی وہاں کے نامی سادات میں سے ہیں - اِنھوں نے اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کے ذریعہ سے خانانِ تاتار کے عہد حکومت میں اپنا مرتبہ وزارت تک پُہنچایا تھا - ہلاکو خان نے وزیر سیف الدین کی شہادت کے بعد اپنی وزارت بالاستقلال خواجہ شمس الدین جُوینی کو عطا کی تھی اور اُسکے چھوٹے بھائی علاء الدین کو ملکِ بغداد اور اُس کے مضافات پر حاکم مقرر کیا تھا - ہلاکو خان کے بعد اباقا خان باپ کا جانشین ہوا تو اُس نے پہلے سے بھی شمس الدین کا زیادہ مرتبہ بڑھا دیا - اور سلطنت کی باگ بالکل اُسکے قبضہ میں دیدی - اب اُسنے مُہماتِ سلطنت کے انصرام سپاہ و رعیت کی دلجوئی اور تمام مُلکی خرابیوں کی اصلاح میں حد سے زیادہ کوشش کی - عراق - خُراسان - بغداد - شام اور آرمینیہ کے بادشاہ اور حاکم سب اُسکے مطیع اور فرمان بردار تھے - اُسکی فیاضی اور سخاوت کی دُھوم دور و نزدیک پُہنچی تھی - باوجودیکہ اُسکا حکم کنارۂ جیحون سے شام اور ایشیائے کوچک تک نافذ اور جاری تھا - اسپر وہ عُلما و فضلا کے ساتھ کمال تواضع اور انکسار سے پیش آتا تھا اور اُن کے ساتھ حد سے زیادہ سلوک کرتا تھا - کبھی کسی پر اُسنے احسان نہیں جتایا - ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کی تعظیم اور مدارات اُن کے مرتبہ کے موافق کرتا تھا اور علاوہ کمالاتِ علمی کے علم

ادب اور شعر میں بھی اُسکو یدطولی حاصل تھا ۔ زیادہ تر اُسی کی بدولت تاتاریوں میں دینِ اسلام شائع ہوا اور اُسی کے فیضِ صحبت سے اباقا خان کے بھائی سلطان احمد نے اپنے گھرانے میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا آخر ارغون خان برادر سلطان احمد کے ہاتھ سے ۶۸۳ھ ہجری میں شہید کیا گیا۔ شہادت سے چند ساعت پہلے اُس نے تھوڑی سی مُہلت چاہی تھی اُس نازک وقت میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور ایک خط فضلائے تبریز کو لکھا جو کہ تاریخ وصاف میں بجنسہٖ منقول ہے اور جس سے اُس کا کمال استقلال اور فراخ حوصلگی پائی جاتی ہے ۔

اُسکے چھوٹے بھائی علاء الدین جُوینی نے بغداد کی حکومت کے زمانہ میں اُس اُجڑے اور ویران شہر کو جو کہ ہلاکو خان کے ظلم و بیداد سے بالکل پامال ہوگیا تھا چند روز میں اپنے عدل اور شفقت اور دلجوئی رعایا سے از سرِنو معمور کر دیا ۔ نجفِ اشرف میں نہر کُھدوائی جس میں ایک لاکھ دینار سے زیادہ صرف ہوا اور فرات کا پانی کوفہ کی مسجد میں لے گیا ۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ جو کام بڑے بڑے خلیفہ اور بادشاہوں سے نہو سکے تھے وہ اس فیاض اور دانشمند وزیر کی کوشش سے ظہور میں آئے تاریخ جہان کشا

لہ سلطان احمد کا نام اسلام سے پہلے تکودار تھا تاتاریوں میں اس سے پہلے صرف برکہ خان جوجی خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا مسلمان ہوا تھا جسکے پاس خوارزم و دشتِ قپچاق اور روس وغیرہ کی حکومت تھی ۱۲

جو اُنسنے تاتاریوں کی فتوحات کے بیان میں لکھی ہے وہ اُن تمام تاریخوں کا ماخذ ہے جو اس باب میں لکھی گئی ہیں ۔

الغرض یہ دونوں بھائی جو کہ دُنیوی جاہ و اقتدار کے علاوہ کمالات علمی میں بھی امتیاز رکھتے تھے اور نیک سیرتی اور حسنِ اخلاق کے لحاظ سے بےمثل تھے ۔ شیخ سعدی کے ساتھ اِن کو حد سے زیادہ خلوص اور اعتقاد تھا اور شیخ کو بھی جیسا کہ اُسکے قصائد و قطعات اور دیگر تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے اِن دونو سے انتہا کے درجہ کی محبت اور اُلفت تھی ۔ ظاہرا جب سے شیخ نے سفر ترک کرکے شیراز میں اقامت اختیار کی تھی اُس کے تمام اخراجات اور اُسکی خانقاہ کے مصارف کے متکفل خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاء الدین تھے ۔

ایکبار خواجہ شمس الدین نے پانسو دینار بطور نذر کے اپنے غلام کے ہاتھ دار السلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجے ۔ راہ میں غلام نے شیخ کے معمولی اغماض اور چشم پوشی کے بھروسے پر اُس میں سے ڈیڑہ سَو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سَو شیخ کے حوالے کئے ۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے خط میں پانسو لکھے ہیں اور غلام نے ساڑھے تین سَو دئے ہیں اُسکی رسید میں یہ قطعہ لکھ بھیجا ۔

قطعہ

خواجہ تشریفم فرستادی و مال — مالت افزون باد و خصمت پایمال
ہر بدینارت سالے عمر باد — تا بمانی سیصد و پنجاہ سال (۳۵۰)

ترجمہ ۔ تمنے مجھکو عزت دی اور نقدی بھیجی ۔ تمہاری دولت زیادہ اور تمہارے دُشمن پایمال ہوں ۔ تمہاری عمر فی دینار ایک برس کے حساب سے ہو جیو

"تاکہ تم ساڑھے تین سَو برس دُنیا میں رہو۔

صاحب دیوان نے یہ مضمون دریافت کرکے غلام کو بہت زجر و توبیخ کی اور رقم کی بابت تدارک مافات کرکے شیخ سے معافی چاہی۔ اِس قسم کے مزاح آمیز اشعار اور بھی کئی موقعوں پر شیخ نے صاحب دیوان کو لکھے ہیں ایکبار اُسنے اپنی نظم و نثر کا مجموعہ خواجہ کو حسب الطلب بھیجا تھا۔ جب ایک مدت تک وہاں سے رسید نہ آئی تو اُس کے تقاضے کے لئے یہ قطعہ لکھ بھیجا۔

قطعہ

سفینۂ حکمیات و نظم و نثر لطیف ۔۔۔ کہ بارگاہ ملوک و صدور را شاید

بصدر صاحب صاحبقراں فرستادم ۔۔۔ مگر بعین عنایت قبول فرماید

سفینہ رفت و ندانم رسید یا نرسید ۔۔۔ بداں دلیل کہ آینده دیر مے آید

---

۱ بُرندق بخارائی جو ایک زبردست شاعر ہے اُسکو بھی یہ اتفاق پیش آیا ہے۔ بادشاہ نے اُسکو پانسو تومان انعام میں بھیجے تھے مگر اسکو دو سو پہنچے اُسنے یہ قطعہ بادشاہ کو لکھ بھیجا

قطعہ

شاہ دشمن گداز و دوست نواز ۔۔۔ آں جہانگیر کو جہاں دار است ۔۔۔ بش یوز التون کرم نمود بمن

لُطف سلطان ہم بندہ بسیار است ۔۔۔ سہ صد از جملہ غائبست کنوں ۔۔۔ در براتم دو صد پدیدار است

یا مگر من غلط شنودستم ۔۔۔ یا کہ پروانچی طلبگار است ۔۔۔ یا مگر در عبارت ترکی

بش یوز التون دو یُوز دینار است

مگر اِس قطعہ میں جیسا کہ ظاہر ہے شیخ کے قطعہ کی سی شوخی اور لطافت نہیں ہے۔ بش یوز التون کو بِشْ یُوز اَلتُن پڑھنا چاہئے۔ یہ ترکی الفاظ ہیں جنکا ترجمہ پانسو تومان ہے۔

بپارسائے ازیں حال مشورت بُردم ‏ ‏ ‏ ‏ مگر ز خاطرِ من بند بستہ بکشاید
چہ گفت ۔ گفت ندانی کہ خواجہ دریا دست ‏ ‏ ‏ ‏ نہ سفینہ ز دریا درست باز آید

ایکبار خواجہ علاء الدین نے جلال الدین ختنی کو جو کہ شیراز میں کسی جلیل القدر منصب پر مامور تھا تبریز سے یہ حکم بھیجا کہ اسقدر دینار شیخ کیخدمت میں بھیدو مگر اسوقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا اِسلیئے وہ رقم شیخ کے پاس نہ پہنچی ۔ جب شیخ کو اس حال کی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے ہنسی سے خواجہ علاء الدین کو یہ قطعہ لکھ بھیجا ٭

قطعہ

بیامِ صاحبِ دیوان علائے دولت و دیں ‏ ‏ ‏ ‏ کہ دیں بدولتِ ایّام او ہمے نازد
سعید و پایۂ حرمت فزود سعدی را ‏ ‏ ‏ ‏ بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال داد کہ صدر ختن جلال الدیں ‏ ‏ ‏ ‏ قبول حضرت او را التعہّد سے سازد
ولیک بر سرِ او خیل مرگ تاختہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ چنانکہ بر ہمہ ابنائے دہر مے تازد
جلال زندہ نخواہد شدن درین دنیا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بریدم از و در سرائے عقبےٰ نیز ‏ ‏ ‏ ‏ کہ از مظالم مردم بمن نہ پردازد

ترجمہ ۔ صاحب دیوان علاء الدین جسکے عہد و دولت پر دین کو ناز ہے اُسکی تحریر پہنچی اور سعدی کو عزت بخشی ۔ قریب تھا کہ اس کا سر آسمان تک پہنچ جائے ۔ اُس میں حکم تھا کہ امیر جلال الدین اُسکی فرمان کی تعمیل کرے مگر اُسپر لشکرِ اجل کی چڑہائی ہو چکی تھی جیسیکہ سب پر ہوا کرتی ہے ۔ اَب جلال الدین دُنیا میں تو آنیوالا ہی نہیں کہ خدا کے بندوں کی خبر لے ۔ مَیں نے آخرت میں بھی اُس سے امید قطع کی کیونکہ وہاں لوگوں کے استغاثے اُسکو میری طرف کاہیکو متوجہ ہونے دینگے ۔

خواجہ علاء الدین نے فوراً اسکی تلافی کی اور عذر چاہا ۔ شیخ کی خانقاہ جہاں
اب اُس کی قبر ہے یہ بھی صاحب دیوان کے روپیہ سے بنی تھی ۔ اِس کام کے لئے
پچاس ہزار دینار اُسنے شیخ کو دئے تھے ۔ شیخ نے ہرچند اُن کے لینے سے انکار
کیا مگر صاحب دیوان نے بہزار منت و سماجت اُس کو راضی کیا اور شیخ کی
زندگی ہی میں اُس رقم سے ایک عالیشان مدرسہ یا خانقاہ ہوباڑ کے نیچے جو کہ
گوشہ شمال و مغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی گئی اور شیخ آخر عمر تک وہیں
عزلت نشین رہا ۔

شیخ سے اکثر اہلِ علم حقائق و معارف کے دقائق و غوامض پوچھتے تھے
اور وہ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں دیتا تھا ۔ از انجملہ علی بن احمد نے
ایک قطعہ مولانا سعد الدین کا جو کہ علم و فضل کے سوا شاعری میں بھی مشتاق و
ماہر تھا نقل کیا ہے جس میں یہ استفسار کیا گیا ہے کہ سالک کی رہنما عقل ہے یا عشق
چونکہ اِس قطعہ سے اُس زمانہ کے علما کی رائے شیخ کی نسبت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے اسلئے
وہ قطعہ یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

قطعہ

سالک راہِ خدا پادشہِ ملکِ سخن ۔ اے ز الفاظ تو آفاق پر از دُرِ یتیم
اختر سعدی و عالم ز فروغ تو منیر ۔ واضع عقلی و گیتی ز نظیر تو عقیم
پیش اشعار تو شعر دگران را چہ محل ۔ سحر بے وقع نماید بہ اشارتِ کلیم
بندہ را از تو سوالے ہست کز بہر سوال ۔ بکند مردمِ پاکیزہ سیر جز بہ کریم
مرد را راہ بحق عقل نماید یا عشق ۔ ایں دو ر بستہ تو بکشا کہ بابیست علیم

گرچہ این ہر دو بیک شخص نمایند فرود ۔۔۔ در دماغ و دل بیدار تو ہستند مقیم
پایۂ منصب ہر یک ز کرم باز نمائے ۔۔۔ تا ز الفاظ خوشت تازہ شود جان سقیم
باد آسودہ و فارغ ز دو بد و نیک جہان ۔۔۔ خاطر آئینہ کردار تو چون نفس حکیم

شیخ نے اُسکے جواب میں ایک طول طویل بحث نثر میں لکھی ہے جو اُس کے کلیات میں موجود ہے ؎

معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کا نہایت ادب اور تعظیم اور اطاعت کرتا تھا - سعد زنگی اتابک انکیانو کو وہ برابر قصائد اور پند نامہ وغیرہ میں اس طرح خطاب کرتا ہے جیسے بڑے اور بزرگ چھوٹوں کو کیا کرتے ہیں - اُس کے سوا ملک عادل شمس الدین جو کہ غالباً انکیانو کے بعد شیراز کا حاکم ہوا تھا وہ بھی حد سے زیادہ شیخ کی تعظیم اور عزت کرتا تھا - ایکبار ایسا ہوا کہ شیراز میں فوج کے سپاہیوں اور افسروں نے چوری سے سرکاری کھجوریں جو زمین کے محصول میں زمینداروں سے وصول کی تھیں سبزی فروشوں کے ہاتھ جبراً کسی قدر عمدہ پر بڑھکے نرخ سے بیچنی شروع کیں اور بہت سے بوجھ شیخ کے بھائی کی دوکان پر بھی جو کہ خاص بادشاہی ڈیوڑھی کے پاس بقالی کی دوکان کرتا تھا بھجوائے - شیخ اُس زمانہ میں حضرت ابو عبداللہ[1] ابن خفیف کی خانقاہ میں مجاور تھا - اُسکو بھی اِس واقعہ

---

[1] یہ بزرگوار چوتھی صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے ہیں جن کی نسبت خواجہ عبداللہ انصاری نے لکھا ہے کہ حقائق و معارف میں کسی کی تصنیفات ابن خفیف کے برابر نہیں ہیں ۱۲

کی خبر پہنچی ۔ اُسنے ملک شمس الدین کو جو کہ اِس حال سے بیخبر تھا ایک شقاعہ لکھکر بھیجا جسمیں اہل فوج کی شکایت اور اپنے بھائی کی دوکانداری اور بینوائی کا حال لکھا تھا ۔ شمس الدّین نے فوراً اِسکا تدارک کیا اور خود شیخ کے پاس آیا اور معافی چاہی اور ہزار درم پیش کرکے کہا کہ یہ حقیر رقم آپ کے بھائی کے خرچ کے لئے ہے ۔ اِس کو قبول کیجئے ۔ شیخ نے لیکر بھائی کو بھیجدی ۔

شیخ کی وفات[1] شیراز میں جبکہ اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ولایت فارس خانان تاتار کی حکومت میں آگئی تھی ۶۹۱ء ہجری میں واقع ہوئی ہے ۔ کسی شاعر نے اُس کے مرنے کی تاریخ اِس طرح کہی ہے ۔

---

[1] سرگور اوسلی نے اُسکی وفات اتابک محمد شاہ ابن مُظفر سلغر شاہ بن سعد زنگی کے عہد میں لکھی ہے ۔ مگر یہ بالکل غلط ہے ۔ اتابک محمد شاہ ۶۶۱ء سنہ میں تخت پر بیٹھا تھا اور آٹھ مہینے سلطنت کرکے مرگیا ۔ پھر اُسکا بھائی سلجوق شاہ تخت نشین ہوا اور ۶۶۲ء سنہ میں قتل کیا گیا ۔ پھر سعد زنگی کی بیٹی آبش خاتون کے نام کا سکّہ اور خطبہ جاری ہوا اور ۶۶۶ء سنہ میں اُسکو معزول کرکے سلطان اباقا خان نے سرداراِنکیا نو کو جو کہ شیخ کا ممدوح ہے حاکم فارس مُقرّر کیا ۔ اَب آگے کوی مُستقل اتابکانِ فارس کے خاندان کا حکمران نہیں ہوا ۔ پس شیخ کی وفات جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خاندان اتابک کے زوال سے چوبیس برس بعد اور اتابک محمد شاہ کے عہد سے تیس برس بعد واقع ہوئی ہے ۱۲

درِ تحسینِ معارف شیخ سعدی — کہ دریائے معنی بود غوّاص

مہ شوال روز جمعہ روحش — بداں درگاہ رفت از روئے اخلاص

یکے پرسید سال فوت گفتم — ز خاصاں بود ازاں تاریخ شد خاص ۶۹۱

شیخ کی عمر کسی نے ایک سو دو برس کی اور کسی نے ایک سو دس برس اور اکثر نے ایکسو بیس برس کی لکھی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی پچھلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے جوانی کے زمانہ میں شیراز سے باہر گیا اور بغداد میں اُس نے مُدّتوں امام ابن جوزی سے علم تحصیل کیا ہے۔ امام ابن جوزی کی وفات ۵۹۷ھ ہجری میں ہو چکی تھی۔ اور شیخ کی وفات اُس سے ۹۴ برس بعد واقع ہوی پس اگر شیخ کی تمام عمر ایک سو دو برس کی سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ شیخ زیادہ سے زیادہ نو برس کی عمر میں امام ابن جوزی سے تحصیل علم کر چکا تھا اور اگر ایک سو دس برس کی عمر قرار دی جاے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہو چکا تھا اور شیراز سے بچپن ہی کے زمانہ میں نکل گیا تھا۔ پس جسطرح پہلی بات خلاف قیاس ہے اسی طرح دوسری بات خلافِ واقع ہے۔

سر گور اوسلی نے انگلستان کے ایک سیّاح ولیم فرینکلن کے سفرنامہ سے جو کہ ۱۷۸۶ء میں فارس گیا تھا شیخ کے مدفن کا حال اس طرح لکھا ہے کہ "شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانبِ شرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ عمارت اُس کی بہت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین بنی ہوی ہے۔

جسکا طول چھ فٹ اور عرض ڈھائی فٹ ہے - قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم نسخ خط میں کندہ ہے جسمیں شیخ کا اور اُس کی تصنیفات کا حال درج ہے - قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبرپوش سے جسپر سنہری کام ہو رہا ہے ڈھکی رہتی ہے اور اُسپر شیخ ہی کا ایک شعر خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے - جب اس قبرپوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا ہے - اکثر اہل اسلام جو اطراف و جوانب سے شیخ کے مزار پر آتے ہیں وہ پھول اور دیگر اقسام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور زائرین کے مطالعہ کے لئے ایک نسخہ شیخ کے کلیات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے - مقبرہ کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوے ہیں جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں زیارت کو آتے ہیں یہ اشعار اُنھوں نے لکھے ہیں شیخ کے مقبرہ کی عمارت اب روز بروز گرتی جاتی ہے اور اگر اب اُسکی خبر جلد نہ لی گئی تو بالکل کھنڈر ہو جائیگی - نہایت افسوس کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اُس کی مرمت کرانے کا خیال نہیں - اس مقبرہ کے متصل اکثر دینداروں اور بزرگوں کے مزار ہیں جنھوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے - "

اس کے بعد سرگور اوسلی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں جبکہ میں جارج سوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے بعنوان سفارت فتح علی شاہ قاجار کے پاس پیغام لیکر طہران کو جاتا تھا اُس وقت کئی مہینے شیراز میں میرا مقام رہا - جب تک میں وہاں رہا اکثر شیخ کے مزار پر

جاتا تھا - مسٹر فرنیکلن کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جاکر ہوتی ہے -
اُسکی قبر حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہے اور تمام عمارت عنقریب منہدم
ہوا چاہتی ہے - باغ اور درخت جو زمانۂ سابق میں وہاں تھے اُن کا اب
نام و نشان تک باقی نہیں رہا - میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر
تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جائے تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہوسکتی ہے
اور میرے حسن عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اُس کے کلام کے ساتھ
رکھتا تھا مجھکو آمادہ کیا کہ اپنے پاس سے روپیہ صرف کرکے شیخ کے
مقبرہ کی مرمت کرادوں - مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی مرزا
جو اُس وقت فارس کا گورنر تھا اُس نے مجھ کو اس ارادہ سے باز رکھا
اور نہایت سرگرمی سے کہا کہ میں اپنے روپیہ سے مزار کی مرمت کرادوں گا
آپ کیوں اسقدر تکلیف اُٹھاتے ہیں - اُس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار
کی مرمت اُسی اسلوب اور عمدگی سے کراؤں گا جیسے کریم خان زند
نے خواجہ حافظ کے مزار کی کرائی تھی - لیکن افسوس ہے کہ اُس نے
اپنا وعدہ پورا نہ کیا -

نہایت تاسف کا مقام ہے کہ عنقریب وہاں کوئی نشان ایسا
باقی نہ رہے گا جس سے معلوم ہو کہ وہ خطۂ ایران کا فخر جو زہد و تقویٰ
اور ذہن و جودت اور علم و فضل میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا کہاں اور
کس جگہ دفن ہوا ہے''۔

سبحان اللہ کیا عبرت کا مقام ہے کہ ایک عیسائی مذہب کے

اُس کنارہ کا رہنے والا جہاں دنیا کی آبادی ختم ہوتی ہے باوجود اختلافِ مذہب - اختلافِ قوم اور اختلافِ مُلک کے ایک مسلمان مصنّف کی ایسی قدر کرے کہ عالمِ سفر میں اُس کے مقبرہ کی مرمّت کرانے پر آمادہ ہو اور اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کو موجود ہو - اور ایک مسلمان شاہزادہ سے باوجود اتّحادِ زبان - اتّحادِ مذہب - اتّحادِ قوم و مُلک کے ایسی بیقدری اور بے اعتنائی ظہور میں آئے ؎

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ہ

دوسرا باب

شیخ کی تصنیفات

شیخ کی شاعری کی شہرت اُس کی زندگی میں

شیخ کی جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا چرچا اُس کی زندگی ہی میں تمام ایران- ترکستان- تاتار اور ہندوستان میں اسقدر پھیل گیا تھا کہ اُس زمانہ کی حالت پر لحاظ کرنے کے بعد اُسپر مشکل سے یقین آتا ہے- خود شیخ بھی گلستان کے دیباچہ میں کہتا ہے "ذکر جمیل سعدی کہ در افواہِ عوام افتادہ و صیتِ سخنش کہ در بسیطِ زمین رفتہ" شیراز اور کاشغر میں کچھ کم ۲۱ سو میل کا فاصلہ ہے- پہلے اِس سے کہ شیخ کاشغر میں پہنچے وہاں کے چھوٹے بڑے اُس کے کمالات سے واقف تھے-

جس زمانہ میں شیخ کاشغر پہنچا ہے- غالباً یہ وہ زمانہ ہے کہ چنگیز خان چینی تاتار کو خوارزمیوں سے فتح کر چکا ہے اور سلطان محمد خوارزم کے ساتھ چند روز کے لئے اُس کی صلح ہو گئی ہے- جب شیخ کاشغر کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں ایک طالب علم مقدمۂ زمخشری[1] ہاتھ میں لئے زبان سے

---

[1] علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے عربی زبان کی نحو میں ایک مختصر متن لکھا ہے اُسکا نام مقدمہ زمخشری ہے ۱۲

یہ کہہ رہا تھا کہ "ضرب زیدٌ عمرواً" شیخ اس سے چہل کی باتیں کرنے لگا اور کہا کیوں صاحب! خوارزم وخطا میں صلح ہو گئی مگر زید اور عمرو کی خصومت بدستور چلی جاتی ہے۔ طالبعلم ہنس پڑا اور شیخ کا وطن پوچھا۔ فرمایا خاکِ پاک شیراز۔ اُس نے کہا کچھ سعدی کا کلام یاد ہے؟ شیخ نے بطریقِ مزاح اُسی وقت دو عربی شعر کہکر پڑھے۔ اُس نے کسی قدر تامل کے بعد کہا سعدی کا زیادہ تر کلام فارسی ہے اگر کچھ اس میں سے یاد ہو تو پڑھیئے۔ آپ نے ویسے ہی دو فارسی شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔ شعر

اے دلِ عشاق بدامِ تو صید　　ما بتو مشغول تو با عمرو زید

صبحکو جب شیخ نے کاشغر سے چلنے کا ارادہ کیا کسی نے اُس طالب علم سے کہدیا کہ سعدی یہی شخص ہے۔ وہ بھاگا ہوا شیخ کے پاس چلا آیا اور نہایت افسوس کیا کہ پہلے سے آپ نے اپنا نام نہ بتایا کہ میں آپکی خدمتگزاری سے سعادت حاصل کرتا۔ اگر اب بھی چند روز شہر میں چلکر قیام کیجئے تو ہم لوگ خدمتگزاری سے مستفید ہوں۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

اشعار

بزرگے دیدم اندر کوہسارے　　قناعت کردہ از دنیا بغارے

چرا گفتم بشہر اندر نیائی　　کہ بارے بند از دل برکشائی

بگفت آنجا پریرویان نغزند　　چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

اسی طرح ملتان سے جو کہ شیراز سے چودہ سو میل ہے دو بار خانِ شہید

سلطان محمد قاآن نے شیخ کی شہرت سنکر اُس کو وطن سے بُلایا مگر وہ بڑھاپے کے سبب نہ آسکا۔

تبریز کے حمام میں جو شیخ اور مشہور شاعر ہمام[1] تبریزی کی نوک جھوک ہوئی ہے وہ نہایت مشہور قصہ ہے۔ جب تک ہمام نے یہ نہ جانا کہ یہ شخص سعدی ہے تب تک اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ سعدی شیرازی ہے فوراً نہایت شرمندگی سے عذر معذرت کر کے اپنے مکان پر لے گیا اور جب تک شیخ تبریز میں رہے کمال تعظیم اور ادب سے اُس کی مہمانداری کی۔

سرگور اوسلی نے کتاب مجالس العشاق سے ایک حکایت نقل کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حکیم نزاری قہستانی (جو کہ خراسان کا ایک مشہور شاعر اور حکیمانہ مزاج آدمی تھا اور اسمٰعیلی مذہب رکھتا تھا) شیراز کے حمام میں شیخ سے ایک اجنبی صورت میں ملا۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص خراسان کا رہنے والا ہے۔ شیخ نے پوچھا کہ سعدی کو کوئی خراسان میں جانتا ہے؟ کہا اُس کا کلام وہاں عموماً زبان زد خلایق ہے۔ اور پھر شیخ کی درخواست سے اُسکے چند اشعار پڑھے جنکو سنکر شیخ محظوظ ہوا اور سمجھا کہ یہ شخص شعر کا عمدہ مذاق رکھتا ہے۔ آخر دونوں پر ایک دوسرے کی حقیقت کھل گئی

[1] خواجہ ہمام الدین باوجود نسبت باطنی اور کمالات علمی کے تبریز کے امرا میں تھا و شاعری میں تمام معاصرین اُسکو مانتے تھے۔ محقق طوسی سے تحصیل علم کی تھی اور سنہ ۷۱۳ھ تبریز میں وفات پائی۔

شیخ۔ نزاری کو اپنے مکان پر لے گیا۔ اور بہت دن تک اُسکو جانے نہ دیا۔ اور بہت خوشی سے خوب دل کھولکر اُسکی مہانداری کی۔ حکیم نزاری نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت اپنے نوکر سے کہا کہ اگر ہمارا میزبان کبھی خراسان میں آیا تو ہم اُسکو دکھائینگے کہ مہانوں کی تواضع اور مدارات کس طرح کیا کرتے ہیں۔ یہ جملہ شیخ کے کان تک بھی پہنچ گیا۔ اُسکو کمال افسوس ہوا اور یہ سمجھا کہ حکیم نے ہماری مہانداری میں شاید کوئی قصور دیکھا۔ چند مدت کے بعد حسن اتفاق سے شیخ کا گزر قہستان میں ہوا اور حکیم نزاری سے ملاقات ہوئی۔ حکیم بہت محبت اور اخلاق سے پیش آیا مگر دعوت میں کچھ زیادہ تکلف نہیں کیا پہلے روز جو کھانا دستر خوان پر آیا وہ محض رسمی اور سیدھا سادہ تھا۔ دوسرے وقت ایک بھنے ہوئے تیتر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تیسرے وقت ایک گوشت کا اُبلا ہوا پارچہ اور خشکا تھا۔ چلتے وقت حکیم نے شیخ سے معافی چاہی اور کہا کہ جس طرح آپ نے میری ضیافت میں تکلفات کئے تھے اُس طرح سے مہمان آخر کو بارِ خاطر ہو جاتا ہے لیکن ہمارا طریقہ ایسا نہیں ہے شیخ کو اُس جملہ کا مطلب جو نزاری نے شیراز سے چلتے وقت کہا تھا اب معلوم ہوا۔

اِس حکایت سے شیخ کی شہرت اور بلند آوازگی کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہبی تعصبات سے مبّرا تھا۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کے لوگ اُس زمانہ میں عموماً ملحد اور بیدین سمجھے جاتے تھے اور کوئی فرقہ مسلمانوں کے نزدیک اسمٰعیلیوں سے زیادہ مبغوض اور مردود نہ تھا۔ پس شیخ کی کمال بےتعصبی

تھی کہ اُسنے ہمارے عہد کے مولویوں اور واعظوں کے برخلاف ایک غریب اسمٰعیلی کی اپنے وطن میں اسقدر خاطر اور مدارات کی اور خراسان میں خود اُس سے جاکر ملا اور اُس کا مہمان رہا۔ الغرض یہ حال شیخ کی شہرت کا خود اُس کے زمانہ میں تھا اور اُس کے مرنے کے بعد جو عام قبولیت اُس کے کلام نے حاصل کی اُس کے بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں +

شیخ کے کلام پر اور لوگوں کی رائیں

اکثر جلیل القدر شعرا نے شیخ کی نسبت ایسے اشعار کہے ہیں جن سے اُن کی اصلی رائے شیخ کے کلام کی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بہارستان میں کسی شاعر کا قطعہ نقل کیا ہے جس میں فردوسی کو مثنوی کا۔ انوری کو قصیدہ کا اور سعدی کو غزل کا پیمبر قرار دیا ہے اور وہ قطعہ یہ ہے +

قطعہ

در شعر سہ کس پیمبرانند   ہرچند کہ لا نبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را   فردوسی و انوری و سعدی

نیز مولانا جامی نے نفحات الانس میں امیر خسرو دہلوی کی کثرت تصانیف اور جامعیت کے ذکر کے بعد شیخ کو باعتبار مقبولیت کلام کے امیر پر اس پیرایہ میں ترجیح دی ہے کہ امیر نے بھی خضر کے ملاقات کے وقت یہ درخواست کی تھی کہ اپنا آب دہن اُسکے مونہہ میں ڈالے حضرت خضر نے فرمایا کہ یہ دولت

سعدی کے نصیب کی تھی۔

حضرت امیر خسرو دہلوی نے بھی شیخ سعدیؒ اور ہمام تبریزی کو اپنی مثنوی نُہ سپہر میں غزل کا اُستاد مانا ہے لیکن دیگر اصنافِ سخن میں کنایۃً اپنے کو ترجیح دی ہے۔ مگر ایک اور شعر میں مطلقاً شیخ کے اتباع پر خود فخر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

شعر

خسروِ سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت   شیرہ از میخانۂ مستے کہ در شیراز بود

حضرت امیر حسن دہلوی نے بھی جن کو اس کے زمانہ کے اہلِ مذاق سعدیِ ہندوستان کہتے تھے شیخ کے تتبع پر افتخار کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

شعر

حسن گلے ز گلستانِ سعدی آوردہ است   کہ اہلِ معنی گلچیں آں گلستان اند

خواجہ مجد الدین ہمگر جو کہ شیخ کا جلیل القدر معاصر ہے اُس سے چار نامی گرامی فاضلوں نے جن میں سے دو شخص علاوہ علم و فضل کے ہولاکو خان کے رکن سلطنت بھی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب دیوان امیر معین الدین پروانہ حاکم روم۔ ملک افتخار الدین کرمانی اور مُلّا نور الدین صدری نے بالاتفاق ہمگر ایک قطعہ مرتب کر کے مجد ہمگر کے پاس بھیجا تھا۔ جس میں امامی ہروی۔ اور سعدی شیرازی کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی گئی تھی۔ اُس کے جواب میں مجد ہمگر نے یہ رباعی لکھکر بھیجی۔

رباعی

باگرچہ[1] بہ نطق طوطی خوش نفسیم — بر شکر گفتہ ہاے سعدی مگسیم

در شیوۂ شاعری بہ اجماع اُمم — ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

اِس رباعی میں اگرچہ ہمگر نے شیخ کو اپنے سے بہتر بتایا ہے مگر امامی کو اپنے اور شیخ دونو پر ترجیح دی ہے *

حاجی لطف علیخان آذر نے مذکورۂ بالا حکایت پر جو کچھ لکھا ہے وہ ملاحظہ کے قابل ہے وُہ لکھتا ہے کہ بعض مدعیان شعر نے مجد الدین ہمگر سے کہ بعنایت الٰہی اپنی طبع میں آج اُن کا کوئی نظیر نہیں ہے سعدی او امامی کی بابت محاکمہ چاہا تھا۔ اُنہوں نے جواب میں یہ رباعی تحریر فرمائی۔ میں نے اِس رباعی کو پڑھکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے زمانہ میں ایسا اشتباہ کسی کو نہیں ہے (جیسا کہ محاکمہ چاہنے والوں کو تھا) اہلِ مذاق جانتے ہیں کہ ہمگر کی تحقیق کیسی پھسپھنڈی ہے ہاں اُنہوں نے اپنی نسبت بالکل صحیح فرمایا ہے کہ میں امامی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ بے شک امامی کا رتبہ جناب صاحب رباعی سے بہت بالاتر ہے لیکن کسی طرح اُسکو شیخ بزرگوار سے نسبت نہیں ہے بلکہ تین شخصوں[2] کے سوا اور کسی کی مجال نہیں جو شیخ کی مساوات کا دم مار سکے۔ میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ جیسا ہمارا زمانہ دانشمندوں سے

---

[1] شیخ نے بھی اس رباعی کو سنکر ایک رباعی لکھی ہے جو اُسکے کلیات میں موجود ہے یعنے
"ہر کس کہ بہ بارگاہ سامی نرسد۔ از بخت سیاہ و بدکلامی نرسد۔ ہمگر بہ خود ار گمان کردہ است نسازد۔ شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد"

[2] شاید تین شخصوں سے مراد فردوسی۔ انوری اور نظامی ہیں۔

سخت گزرتا ہے ایسا زمانہ پہلے سخنوروں پر بھی گزرا ہے یا نہیں - جب یہ حکایت میری نظر سے گذری تو مجھکو صبر آگیا" - حاجی موصوف نے اس مقام پر مجد ہمگر کی شان میں ایک قطعہ بھی لکھا ہے اور وُہ یہ ہے **قطعہ**

یکے گفت - امامی امام ہری را | زسعدی فزون یافتہ مجد ہمگر
دریں باجرا چیست رائے تو - گفتم | ستمگر بود مجد ہمگر ستمگر

ہمارے نزدیک اگر مجد ہمگر اُس عصر میں جس میں سعدی اور امامی گزرے ہیں ہوتا بلکہ سو پچاس برس بعد پیدا ہوتا تو اُسکو بھی شیخ اور امامی کے رُتبہ میں ہرگز یہ اشتباہ نہ ہوتا - معاصرت نے لوگوں کے حالات پر اکثر ایسے پردے ڈالے ہیں مگر جسقدر اُن کا زمانہ گزرتا گیا اُسیقدر وہ پردے مرتفع ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ جو حق بات تھی وہ ظاہر ہوگئی - اصل یہ ہے کہ جب ایک زمانہ میں دو اہلِ کمال ہوتے ہیں تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک گروہ متعصبین کا کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ ہر شخص کے کچھ عزیز اور دوست اور کچھ اُن دوستوں کے دوست اور اِسی طرح کچھ مخالف اور اُن مخالفوں کے دوست اور یگانے ضرور ہوتے ہیں اور اِس طرح سے بڑھتے بڑھتے دو بڑے بڑے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن جب وُہ طبقہ ختم ہو جاتا ہے اور اُن کے ساتھ کسی کو لاگ یا لگاؤ باقی نہیں رہتا تو جو ٹھیک بات ہوتی ہے وہ بغیر بحث و حجت کے خود بخود دلوں پر نقش ہو جاتی ہے شیخ اور امامی کے عہد میں یہ کسکو معلوم تھا کہ عنقریب ایک کا کلام اطرافِ عالم میں پھیل جائیگا اور دوسرے کا نام صرف کتابوں میں لکھا رہ جائیگا -

کلامِ شیخ کی مقبولیت کے ذکر میں اکثر یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ مشائخ وقت میں سے ایک بزرگ شیخ کے منکر تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھولے گئے ہیں اور فرشتے نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوئے ہیں۔ اُن بزرگ نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہا سعدی شیرازی نے ایک بیت کہی ہے جو جنابِ الٰہی میں مقبول ہوئی یہ اُس بیت کا صلہ ہے اور وہ بیت یہ ہے:۔

برگ درختان سبز در نظرِ ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو رات ہی کو شیخ کے عزلت خانہ پر یہ مژدہ سُنانے کے لئے گئے۔ وہاں جاکر شیخ کو دیکھا کہ چراغ روشن کئے ہوئے جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ شاید اِس حکایت کا مضمون ذوی النظر میں مستبعد معلوم ہو۔ لیکن ہمکو اس میں کوئی بات عقل یا نیچر کے خلاف نہیں معلوم ہوتی۔ خواب کا سچّا ہونا اور اُن میں معمولی باتوں کا غیر معمولی طور پر نظر آنا ایک ایسا مُسلّم امر ہے کہ آج کل کے فلسفی بھی اُس کا انکار نہیں کر سکتے۔ اِس کے علاوہ ہم اِس حکایت سے ہر حال میں یہ نتیجہ ضرور نکال سکتے ہیں کہ شیخ کے کلام کی مقبولیت اِس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ معمولی پیرائے اُس کے بیان کے لئے کافی نہ سمجھے جاتے تھے۔

اِس حکایت کو اور زیادہ چمکانے کے لئے شیخ ابوالفیض فیضی کے مخالفوں نے ایک اور دلچسپ مضمون تراشا ہے۔ یعنی یہ کہ فیضی نے ہندمیں کی توحید لکھتے

وقت جب یہ شعر کہا۔

شعر

در مہر بنی ابو کہ سے نہی گوش　　نوارۂ فیض اوست در جوش

تو اس نے بھی ویسے ہی صلہ کی توقع کی جیسا جو شیخ سعدی کو ملا تھا آسمان کی طرف مونہہ کیا۔ اتفاقاً ایک چیل نے اوپر سے بیگال کی جو فیضی کے مونہہ پر آکر پڑی۔ وہ بہت جھنجھلایا اور کہا "شعر نہی بعالم بالا معلوم شد" ظاہرا یہ مضمون عبدالقادر بدایونی کا جو کہ شیخ مبارک کے خاندان کا سخت دشمن ہے یا اس کے کسی متبع کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "سعدی کے کلام کی لطافت اور بذلہ سنجی روما کے مشہور شاعر ہوریس کے کلام سے بہت ملتی ہے۔ چونکہ سعدی کو لاطینی زبان آتی تھی اسلئے ان غالب ہے کہ ہوریس کے کلام سے مستفید ہوا ہوگا" ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قیاس کہاں تک صحیح ہے اور واقعی شیخ کو لاطینی آتی تھی یا نہیں۔ بظاہر ویسا ہی قیاس ہے جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد اور آگرہ کے روضہ تاج گنج کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دونوں عمارتیں اٹلی کے کاریگروں نے بنائی ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو قوم نہایت پستی کی حالت میں ہوتی ہے اگرچہ کسی زمانہ میں کتنی ہی ترقی کر چکی ہو۔ اسطرح اس قوم کی موجودہ نسلیں ترقی یافتہ قوموں کی نظر میں حقیر و ذلیل اور ہیچ در ہیچ معلوم ہوتی ہیں یہاں تک کہ ان کے اسلاف کی عظمت اور بڑائی کا بھی بہت کم یقین آتا ہے۔ اور اگر ان کی کوئی ایسی بات پیش کی جاتی ہے جس کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا تو اسکو ہم کسی اور کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں۔

سر ولیم جونس جو کہ مشرقی زبانوں کا نہایت مشہور عالم ہے اُسنے جو شیخ اور
اُسکے کلام کی نسبت لکھا ہے وہ سر گور اوسلی نے نقل کیا ہے وُہ لکھتا ہے کہ
"سعدی نے تیرہویں صدی ہجری میں جبکہ اتابکان فارس وہاں کے اہل کمال
کو تقویت دے رہے تھے اپنے جوہر دکھانے شروع کئے تھے۔ حالانکہ اُس کی
تقریباً تمام زندگی سفر میں گذری تھی باوجود اس کے کسی ایسے شخص نے بھی
جسکو عمر بھر اطمینان اور فرصت حاصل رہی ہو اپنی عقل اور محنت کا نتیجہ شیخ
سے بہتر نہیں چھوڑا"
انگلستان کے بعض اور مصنفوں نے اُسکو مشرقی شاکسپیر کہا ہے۔
اگرچہ یہ تشبیہ اُن مشرقی شاعروں کی نظر میں جو شاکسپیر کی شاعری سے واقف
نہیں ہیں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ لیکن جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ
انگریز شاکسپیر کو تمام دُنیا کے شاعروں سے بہتر سمجھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے
کہ جو لوگ سعدی کو مشرق کا شاکسپیر کہتے ہیں اُنہوں نے اُسکو کس درجہ کا شاعر
تسلیم کیا ہے۔
شکسپیر کی شاعری اگرچہ سعدی کی شاعری سے بالکل مغائر ہے لیکن
بعض حیثیات سے ایک کو دوسرے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ دونوں
کے کلام میں عموماً یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ عقل و عادت کی سرحد سے تجاوز
نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ نیچرل حالتوں کی تصویر کھینچتے ہیں۔ دونوں کے کلام
میں اکثر ظرافت اور شوخی کی چاشنی ہوتی ہے اور دونوں کا بیان ہمیشہ سادہ
صاف اور دلنشین ہوتا ہے۔ اس کے سوا دونوں نے اکثر کلام کی بنیاد

نصیحت و پند پر رکھی ہے - صرف فرق اِسقدر ہے کہ شیخ کھُلم کھُلا نصیحت کرتا ہے اور شکسپیر کے پلے (یعنی ناٹک) سُنکر کسی شخص کو یہ خیال نہیں گذرتا - کہ یہ میرے ہمجنسوں کے عیب بیان ہو رہے ہیں یا کسی کو نصیحت کی جاتی ہے مگر اُس کا بیان اندر ہی اندر اپنا کام کرتا ہے بلکہ یہ گُپتی منتر صریح نصیحت و پند سے زیادہ کارگر ہوتا ہے - نیز دونوں کا کلام مقبول اور دلنشین ہونے میں ایکدوسرے سے نہایت مشابہت رکھتا ہے - جس طرح شکسپیر کے صدہا اقوال انگریزی میں ضرب المثل ہو گئے ہیں اسی طرح شیخ کی گلستاں اور بوستاں کے صدہا فقرے اور شعر اور مصرعے فارسی اور اردو میں ضرب المثل ہیں اور اِس سے دونوں کے کلام کی کمال خوبی اور حُسن اور یہ بات کہ اُنھوں نے جمہور کے دلوں پر کسقدر تسلط کیا ہے اور اُن کا کلام کسقدر انسان کی حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق واقع ہوا ہے ثابت ہوتی ہے اگرچہ اِسکا زیادہ تر سبب یہ بھی ہے کہ ایشیا میں جسقدر گلستاں اور بوستاں کی تعلیم و تعلّم کا چرچا ہے ایسا کسی اور کتاب کا نہیں - اور اسی طرح یورپ میں جسقدر شکسپیر کا کلام دائر و سائر ہے ایسا کسی اور شاعر کا کلام نہیں - پس ضرور تھا کہ دونوں کے اقوال سب سے زیادہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوں لیکن ظاہر ہے کہ جب تک کوئی کلام فی نفسہ مقبول اور دلنشین ہونے کے قابل نہو کسی طرح ممکن نہیں کہ اِس طرح تمام مُلک میں مشہور اور متداول ہو سکے *

کلیاتِ شیخ

شیخ کا تمام کلام نظم۔ نثر۔ فارسی اور عربی جو اسوقت متداول ہے اور جسکو شیخ علی ابن احمد ابن ابی بکر نے شیخ کی وفات سے بیالیس برس بعد علی الترتیب جمع کیا ہے حسب تفصیل ذیل ہے:۔

(۱) نثر میں چند مختصر رسالے (جن میں سلوک اور تصوف کے مضامین اور مشائخ و عرفا کی حکایتیں اور ملوک و حکام کے لئے نصیحتیں لکھی ہیں) (۲) گلستاں (۳) بوستاں (۴) پندنامہ (جس کو عرف عام میں کریما کہتے ہیں) (۵) قصائد فارسی (جن میں مرثیے۔ ملمعات مثلثات اور ترجیعات بھی شامل ہیں) (۶) قصائد عربیہ (۷) غزلیات کا پہلا دیوان موسوم بہ طیبات۔ (۸) دوسرا دیوان موسوم بدائع (۹) تیسرا دیوان موسوم بہ خواتیم (۱۰) غزلیات قدیم جو غالباً عنفوان شباب کی لکھی ہوئی ہیں (۱۱) مجموعہ موسوم بہ صاحبیہ جسمیں شیخ نے قطعات مثنویات۔ رباعیات اور مفردات کو خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کی فرمایش سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے (۱۲) مطائبات و ہزلیات۔

ان تمام کتابوں اور رسالوں میں سے مثنوی پندنامہ یعنی کریما کو بعض اہل مذاق شیخ کا کلام نہیں سمجھتے کیونکہ اوّل تو کلیات کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ مثنوی نہیں دیکھی گئی۔ دوسرے شیخ کے عام کلام میں جو پختگی اور

جزالت یا دلفریبی اور جادو پایا جاتا ہے اُس سے یہ مثنوی مُعرّا ہے مگر ہمارے نزدیک اِس مثنوی کو شیخ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی استبعاد اور تردّد کی بات نہیں ہے یہ سچ ہے کہ وہ بوستان اور شیخ کی عام نظم کے مقابلہ میں نہایت کم وزن معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شاعر کا حال بالکل اِس شعر کا مصداق ہے۔

شعر

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم ۔۔۔ گہے بر پشتِ پاے خود نہ بینیم

ایک ہی شاعر کا ایک کلام معجزہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرا ابتذال اور یہی وہ خاصیت ہے جو خدا کے کلام کو بشر کے کلام سے جدا کرتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" کلیات کی بعض قدیم نسخوں میں اِس مثنوی کا نہ پایا جانا بھی اِس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ شیخ کا کلام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ علی بن احمد کے بعد کسیکو یہ مثنوی ملی ہو اور اُسنے اِسکو بھی کلیات میں داخل کر دیا ہو اور اِس سبب سے کلیات کے نسخوں میں اختلاف واقع ہو گیا ہو۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو کے کلیات میں اِسی طرح نسخوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال ہم جس طرح اِس مثنوی کے ثبوت کی کوئی قطعی دلیل نہیں سمجھتے اِسی طرح اُسکی نفی کی بھی کوئی قوی وجہ نہیں پاتے۔

اب ہم شیخ کی بعض تصنیفات پر جو زیادہ مشہور ہیں یا زیادہ لحاظ کے قابل ہیں متوجہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہماری محدود واقفیت اور ناچیز رائے مساعدت کریگی ہم اُن کی حقیقت ظاہر کرنے میں کوشش کریں گے

ناظرین با تمکین سے یہ درخواست ہے کہ اگر کہیں ہماری رائے کی غلطی ظاہر ہو تو اُس کو متعصبانہ افراط و تفریط پر محمول نفرمائیں بلکہ اُسکو ایک مقتضائے بشریت سمجھکر اُسیقدر مواخذہ کے قابل ٹھیرائیں جسقدر کہ ایک غلط مگر سچی رائے پر مواخذہ ہو سکتا ہے ؞

گلستان اور بوستان

اگرچہ ہر تصنیف و تالیف کی ہیئت اور اُن کے عیب اور خوبیاں بیان کرنی عموماً مشکل ہیں لیکن جو کلام سب کے نزدیک مقبول ہو اور جسپر کسی نے خردہ گیری نہ کی ہو اُسپر ریویو لکھنا اور اُس کی خوبی یا عیب بیان کرنا حد سے زیادہ مشکل ہے - جس طرح بدیہیات پر استدلال کرنا نہایت دشوار ہے - اِسی طرح ایسے مقبول اور مسلم کتابوں کے محاسن بیان کرنے مشکل ہیں اور اِسی طرح اُن پر نکتہ چینی کرنی اور بھی زیادہ مشکل ہے - ہم پہلا آسان کام کسیقدر اپنے ذمہ لیتے ہیں اور دوسرے مشکل کام کو اپنے سے زیادہ دقیقہ شناس اور باریک بین لوگوں پر چھوڑتے ہیں -

اِن دونوں کتابوں کو شیخ کے کلام کا خلاصہ اور لبِّ لباب سمجھنا چاہئے - ظاہرا فارسی زبان میں کوئی کتاب اِن سے زیادہ مقبول اور مطبوعِ خاص و عام نہیں ہوئی - ایران - ترکستان - تاتار - افغانستان

اور ہندوستان میں ان دونو کتابوں کی تعلیم ساڑھے چھ سو برس سے برابر جاری ہے۔ بچپن میں ان کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور بڑھاپے تک مطالعہ کا شوق رہتا ہے لاکھوں اُستادوں نے انہیں پڑھایا۔ اور کروڑوں شاگردوں نے انہیں پڑھا ان کے بے شمار نسخے خوشنویسوں کے قلم سے لکھے گئے۔ اور بے انتہا اڈیشن لوہے اور پتھر پر چھاپے گئے مشرق اور مغرب کی اکثر زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔ مشائخ اور عُلمانے ان کی عزت کی۔ بادشاہوں نے ان کو سلطنت کا دستورالعمل بنایا۔ منشیوں اور شاعروں نے ان کی فصاحت و بلاغت کے آگے سر جھکایا اور اُن کے تتبّع سے عاجز رہنے کا اقرار کیا۔ ان کا نام جس طرح ایشیا میں مشہور ہے اسی طرح یُوروپ میں بھی عزّت سے لیا جاتا ہے۔

اگرچہ یہ دونوں کتابیں حُسنِ قبول۔ فصاحت۔ بلاغت۔ تہذیب اخلاق پند و نصیحت اور اور اکثر خوبیوں کے لحاظ سے باہم اگر ایسی مشابہت رکھتی ہیں کہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینی مشکل ہے بلکہ ان پر عربی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ احدھما افضل من الاٰخر۔ لیکن اگر بعض وجوہ سے گلستاں کو بوستاں پر ترجیح دی جاے تو کچھ بیجا نہیں ہے۔

فارسی نظم میں بوستاں کے سوا اور بھی ایسی کتابیں موجود ہیں جو بوستاں سے کم مقبول نہیں سمجھی گئیں مگر مثنوی معنوی اور شاہنامہ نے شاید اُس سے بھی بڑھکر قبولیت حاصل کی ہے۔ لیکن فارسی نثر میں

ظاہرا کوئی کتاب شیخ سے پہلے اور اُس کے بعد ایسی نہیں لکھی گئی جو گلستان کے برابر مقبول ہوئی ہو۔ سرگور اوسلی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سعدی کی گلستان کا ترجمہ جو کہ مشہور فاضل جنٹیئس نے لاطینی میں کیا تھا۔ اُس نے مدتوں یوروپ کے اہل علم و ادب کو شیخ کے خیالات پر فریفتہ رکھا ہے۔

تذکرۂ مجمع الفصحا جو کہ ابھی ایران میں تالیف ہوا ہے اُس میں یا کسی اور تذکرے میں لکھا ہے کہ فارسی نظم ونثر میں جسقدر چار کتابیں ایران میں مقبول ہوئی ہیں ایسی اور کوئی کتاب نہیں ہوئی۔ شاہنامہ۔ مثنوی معنوی۔ گلستان اور دیوان حافظ''

ہندوستان میں بھی یہ چاروں کتابیں ایسی ہی مقبول ہوئی ہیں جیسی ایران میں۔ مگر سب کی شہرت اور قبولیت کے وجوہ مختلف ہیں۔ اگرچہ ایک خوبی یعنے بیان کی سادگی اور بیساختگی میں چاروں کتابیں کم وبیش مشترک ہیں اور یہ وہ خوبی ہے جسکے بغیر کوئی کتاب مقبول نہیں ہو سکتی۔ لیکن صرف اسقدر خوبی سے کوئی کتاب ایسی شہرت اور قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی جب تک اُس کے ساتھ کوئی اور دلکش اور دلفریب چیز نہ ہو کیونکہ نظم ونثر کی بیسیوں کتابیں جو تکلف اور تصنع سے بالکل پاک ہیں ایسی بھی ہیں جنکا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔

ہماری رائے میں گلستان کے سوا باقی تینوں کتابیں زیادہ تر اس سبب سے مقبول ہوئی ہیں کہ وہ اپنی سادگی اور فصاحت وبلاغت کے علاوہ

زمانہ کے مذاق اور طبائع کے ساتھ بہت مناسبت رکھتی تھیں۔ سب سے اوّل شاہنامہ پر غور کرو۔ قطع نظر اس سے کہ قدیم زمانہ کے حالات اور گزشتہ قوموں اور بادشاہوں کے محاربات انسان کو ہمیشہ بالطبع مرغوب ہوتے ہیں۔ جس زمانہ میں کہ شاہنامہ لکھا گیا اُسوقت وسط ایشیا کے مسلمانونکو فتوحات اور لشکرکشی و کشورکشائی کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور شجاعت و بہادری کے مضمون اُن کو دل سے پسند آتے تھے۔ پس ایک رزمیہ نظم کا جسمیں رزم اور بہادری کے سوا اور مضمون بہت کم ہیں ایسے وقت میں لکھا جانا اُن کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ یہی سبب تھا کہ شاہنامہ ختم ہونے سے پہلے ہی اُس کی صدہا داستانیں کم و بیش لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوگئیں تھیں۔ اور آخر کو اُسکا یہاں تک رواج ہوگیا تھا کہ بادشاہونکے ہاں شاہنامہ خواں نوکر رکھے جاتے تھے۔ اور قہوہ خانوں میں جابجا گرمی صحبت کے لئے شاہنامہ پڑھا جاتا تھا۔ اِس کے سوا ہزاروں عجیب غریب قصّے جیسے سیمرغ کا زال کو پرورش کرنا۔ طہمورث دیوبند کا دیووں کو قید کرنا۔ جام جمشید کے کرشمے۔ رستم کا اپنے زور سے تنگ آکر اُس کو خدا کے پاس امانت رکھوانا اور پھر سہراب کی لڑائی میں واپس لے لینا۔ اُسکا سیکڑوں دیووں کو مارنا۔ اور مغلوب کرنا۔ اُسکے رخش کا شیروں کو ہلاک کرنا۔ دژبہمن کا طلسم لوٹنا اور اِسی طرح کے ہزاروں افسانے مثل قصّہ امیر حمزہ اور بوستان خیال کے اُسمیں درج تھے جو تمام دُنیا کے آدمیوں کو عموماً اور ایشیا والوں کو خصوصاً ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں۔ ان باتوں نے

شاہنامہ کو اور بھی زیادہ مقبول اور عام پسند کر دیا تھا۔

مولانا روم کی مثنوی اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جبکہ ہمارے لٹریچر میں تصوّف اور معرفت کا تسلّط روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ شیخ محی الدین ابن العربی۔ شیخ صدر الدین قونوی۔ شیخ شہاب الدین سُہروردی۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی وغیرہم کی تصنیفات مذہب اور شاعری میں تصوّف کی روح پھونک رہی تھیں شعر میں حقیقت اور معرفت کے مضامین تغزل کی نسبت زیادہ جی لبھانے لگے تھے۔ شیخ اکبر اور ابن فارض کے دیوانوں کے سامنے مُتنبّی اور ابو تمام کی تشبیبیں بے مزہ معلوم ہونے لگی تھیں۔ حدیقہ اور منطق الطیر نے رودکی اور عنصری کا کلام نظروں سے گرا دیا تھا۔ ایسے وقت میں مثنوی معنوی کا جو کہ سراسر تصوّف اور حقایق و معارف سے بھری ہوئی ہے مقبول ہونا ایسا ہی ضروری امر تھا جیسے غزنویہ اور سلاجقہ کے عہد میں شاہنامہ کا اور صفویّہ کے عہد میں حملۂ حیدری کا۔ اس کے سوا مثنوی میں بھی صدہا عجیب و غریب قصّے اور خوق العادۃ نقلیں اور تمثیلیں جو انسان کو بالطبع مرغوب ہیں درج تھیں اور اُن میں شریعت اور طریقت کے اسرار بیان کئے گئے تھے۔ پس مثنوی میں شعر اور تصوّف کے علاوہ قصّہ کا لطف اور مذہب کی عظمت بھی شامل تھی۔ یہی باعث ہے کہ مولانا روم کے حق میں "نیست پیغمبر ولے دارد کتاب" اور مثنوی کے حق میں "ہست قرآن در زبان پہلوی" کہا گیا ہے۔

خواجہ حافظ کے دیوان میں عشق و جوانی اور رندی اور شاہد بازی کے مضامین کے سوا جو کہ دنیا میں ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں اور انسان کے دل کو بزور اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کوئی مضمون ہی نہ تھا - اور اس خیال نے کہ اُس میں عشق حقیقی کی واردات اور کیفیات عشق مجازی کے پیرایہ میں ادا کی گئی ہیں اوسکو اور بھی زیادہ دلچسپ اور دلربا کر دیا تھا - پس ان تینوں کتابوں کا اسقدر مقبول ہونا کچھہ زیادہ تعجب کی بات نہ تھی -

گلستاں میں ان وجوہ میں سے کوئی وجہ نہیں تھی نہ اُس میں رزم تھی نہ عجیب و غریب افسانے تھے - نہ فوق العادۃ قصے - نہ حقائق و معارف نہ شریعت کے اسرار - نہ طریقت کے نکات - نہ غزل عاشقانہ - نہ قول عارفانہ بلکہ اُسکی بنیاد محض اخلاقی پند و موعظت پر رکھی گئی تھی جس سے زیادہ کوئی پھیکا اور بے نمک مضمون خاصکر فارسی لٹریچر میں نہیں پایا جاتا - پند و موعظت جبتک قصہ یا ناٹک کے پیرایہ میں نہ ادا کیجائے اکثر مخاطب کی وحشت اور تنفر کا باعث ہوتی ہے - کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ وہ کھلی نصیحتوں سے متنفر اور چھپی نصیحتوں سے متاثر ہوتا ہے - پس گلستاں کا اسقدر مقبول ہونا سوا اس کے کہ اُسکی فصاحت و بلاغت اور حسن بیان اور لطف ادا کو تمام فارسی لٹریچر میں بے مثل اور لاجواب تسلیم کیا جائے اور کسیوجہ پر محمول نہیں ہوسکتا -

گلستاں کی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے معلوم ہوتی ہے کہ جسقدر غیر زبانوں کا لباس اس کتاب کو پہنایا گیا ہے ایسا فارسی زبان کی کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا - خود شیخ ہی کے زمانہ میں گلستاں کے اکثر قطعات و ابیات اسقدر مقبول اور زبانوں پر جاری ہو گئے تھے کہ اُس زمانہ کے فضلا اور اُدبا اُس کے اکثر اشعار عربی نظم میں ترجمہ کر کے اپنا زورِ طبع اور قدرت نظم عربی دکھاتے تھے - چنانچہ ادیب نامدار فضل اللہ بن عبد اللہ شیرازی نے بھی جو کہ شیخ کے اخیر زمانہ میں تھا اپنی مشہور تاریخ وصّاف میں گلستان کے دو قطعوں کا ترجمہ عربی میں نظم کیا ہے جو کہ مع اصل قطعات کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

قطعۂ سعدی

گِلے خوشبوے در حمام روزے | رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری | کہ از بوے دلاویزِ تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم | ولیکن مُدّتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد | وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ عربیّہ

اذا ھو فی الحمام طین مُطیّبٌ | توصّل من ایدی کریم الی یدی
فقلتُ لہ ھل انت مسکٌ وعنبرٌ | فانّی من ریّاک سکران معتدی
اجاب بانی کنت طیناً مُذ لّلاً | فجالست للورد الجنی بمعھدٍ

فاثرنی خُلقی کمال جمالسی　　وَاِلّا انا التّرب الذی کنت فی ید

قطعۂ سعدی

گر خردمند ز اجلافِ جفائے بیند　　تا دلِ خویش نیازارد و درہم نشود

سنگ بدگوہر اگر کاسۂ زرّیں بشکست　　قیمتِ سنگ نیفزاید و زر کم نشود

ترجمہ عربیّہ

اِنْ نَالَ نَدْمن الانذال منقصۃً　　حاشی لہ ان یذیب النفس بالضجرِ

فالتّبرُ من حجرٍ اذ صار منکسرًا　　فالبتر تبرٌ و ما یزداد فی الحجرِ

پھر ایک مُدّت کے بعد تمام گلستان کا ترجمہ جیسا کہ مشہور ہے عربی زبان میں ہوا جو کئی صدیوں تک عرب۔ شام۔ روم اور مصر میں متداول رہا اور حال میں مصر کے ایک ادیب نے جسکا نام جبریل ہے اُس کا ایک اور نہایت فصیح عربی ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں چھپوایا ہے۔ اِس کے سوا استنبول کی تُرکی میں بھی اُس کے متعدد ترجمے سُنے گئے ہیں۔ جن میں سب سے اخیر ترجمہ سلطان عبدالحمید خان کے بھائی اور ولیعہد رشاد پاشا نے حال ہی میں کیا ہے۔ یُورُپ میں گلستان اور بوستان کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں اُن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم ہونی مُشکل ہے۔ مگر انگلش سائیکلوپیڈیا میں کسیقدر ترجموں اور اڈیشنوں کا ذکر کیا ہے جو ۱۸۸۲ء تک چھپے اور شائع ہوئے اُس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

گلستان کے ترجمے بوستان کی نسبت بہت زیادہ ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے جنٹیس نے اصل گلستاں معہ لاطینی ترجمہ اور کسیقدر حواشی کے ایمسٹرڈم میں چھپوائی۔ پھر ڈورائر نے جو کہ فرانس کی طرف سے اسکندریہ میں کانسل تھا فرنچ میں اُسکا ترجمہ کیا جو سنہ ۱۶۳۴ء میں بمقام پیرس چھپا۔ اُسکے بعد اصل کتاب سے گاڈین نے سنہ ۱۷۸۹ء میں اور سیمالیٹ نے سنہ ۱۸۳۴ء میں ترجمہ کیا۔ یہ دونو ترجمے بھی فرنچ میں ہوئے تھے۔ جرمن زبان میں اُولی ایریس کا ترجمہ زیادہ مشہور ہے وہ اُس کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس ترجمہ میں ایران کے ایک فاضل سے مدد لی گئی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میرے ترجمہ سے پہلے ڈورائر کے فرنچ ترجمہ سے ایک اور ترجمہ جرمن میں ہو چکا تھا۔ اولی ایریس کا ترجمہ نہایت ذی وقعت ہے اور اس میں جو تصویریں چھاپی گئی ہیں وہ بھی بہت عُمدہ ہیں۔ یہ ترجمہ اوّل سنہ ۱۶۵۴ء میں بمقام سلیزوگ چھپا تھا اور اُسی سال جرمن سے ڈچ زبان میں ترجمہ ہو کر ایمسٹرڈم میں چھپا۔ اولی ایریس نے بوستان کا بھی ترجمہ جرمن میں کیا ہے۔ حال میں گلستاں کا ایک اور ترجمہ کے۔ ایچ۔ گراف نے جرمن میں کیا ہے جو سنہ ۱۸۴۶ء میں بمقام لیپزگ چھپا ہے۔ اِسی مترجم نے بوستان کا بھی ترجمہ کیا ہے جس کا نام لسٹ گارٹن ہے اور جو سنہ ۱۸۵۰ء میں دو جلدوں میں چھپا ہے۔ انگریزی میں گلستان کا ترجمہ ایک تو گلیڈون نے کیا ہے جو بمقام لنڈن سنہ ۱۸۰۸ء میں چھپا۔ دوسرا ترجمہ راس صاحب کا ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے لئے کیا گیا تھا۔ ایک اور ترجمہ ایسٹوک نے انگریزی میں کیا ہے نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں جو سنہ ۱۸۵۲ء میں بمقام ہرٹ فورڈ چھپا تھا۔ یہ

ترجمہ نہایت عمدہ ہے -

سعدی کے کلیات فارسی و عربی چھوٹی تقطیع کے کاغذ پر ہیرنگٹن نے ۱۷۹۱ء میں چھپوائے تھے - اور گلیڈون نے صرف گلستاں ۱۸۰۶ء میں چھپوائی جو دوبارہ ۱۸۰۹ء میں بمقام لندن مطبوع ہوئی - پھر ۱۸۰۷ء میں جیمس ڈیمولن نے گلستاں معہ اپنے ترجمہ کے کلکتہ میں چھپوائی جو کہ اُسوقت سے ابتک کئی بار پتھر پر چھپ چکی ہے - پروفیسر فاکنر نے فارسی خوان طلبہ کے لئے بوستان کا نہایت عمدہ انتخاب کر کے چھپوایا ہے جسمیں تقریباً تہائی کتاب داخل ہے - اور بعض حکایات کے ترجمے حواشی سمیت ایشاٹک جرنل میں معہ متن کے چھاپے گئے ہیں - ڈاکٹر اسپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں بمقام کلکتہ گلستان معہ اعراب اور علامات وقف کے چھپوائی تھی اور ایسٹوک نے بمقام ہرٹ فورڈ ۱۸۵۰ء میں اُسکو کئی قلمی نسخوں سے صحیح کر کے معہ فرہنگ کے شائع کیا۔

مذکورہ بالا ترجموں اور اڈیشنوں کے سوا جنکا ذکر انگلش سائیکلوپیڈیا میں کیا گیا ہے اور بہت سے نئے ترجمے اور اڈیشن خصوصاً ۱۸۵۵ء کے بعد شائع ہوئے ہیں - از انجملہ ۱۸۷۱ء میں جان پلیٹ انسپکٹر مدارس ممالک متوسط نے اصل گلستاں معہ انگریزی فرہنگ کے حسن اہتمام اور صحت کے ساتھ لندن میں چھپوائی تھی - اور کپتان ولبر فورس کلارک نے بوستان کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۹ء میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ اُس نسخہ سے کیا گیا ہے جو جرمنی کے اورینٹل سوسائٹی میں ۱۸۵۱ء میں چھپا

تھا۔ پھر حال ہی میں بوستان کی چیدہ حکایتوں کا ترجمہ میجر میکنن نے نظم میں کیا ہے۔ جسکا نام فلوورز فروم دی بوستان رکھا ہے۔

ہندوستان میں بھی متعدد زبانوں میں گلستاں کا ترجمہ ہوا ہے۔ ازانجملہ میر شیر علی افسوس تخلص نے مارکوئس ولزلی گورنر جنرل کے عہد میں اُسکا اردو ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں لکھا ہے مگر چونکہ اُسوقت تک اردو زبان خوب منجھکر صاف نہوئی تھی اسلیئے زمانۂ حال کے ترجمے جو اُس کے بعد ہوئے ہیں زیادہ صاف اور بامحاورہ اور فصیح ہیں۔ بنگالی اور گجراتی میں بھی گلستان کے ترجمے ہوے ہیں مگر اُن کا مفصل حال معلوم نہیں ہے۔ بھاشا میں اوّل شمال مغربی اضلاع میں گلستاں کے آٹھویں باب کا ترجمہ کیا گیا تھا جسکی اشاعت کو تقریباً تیس برس گزرے ہونگے۔ اِس ترجمہ کا نام مترجم نے پشپوپ باٹکا (یعنی باغ کی ایک کیاری) رکھا ہے۔ اِس کے بعد ہمارے دوست پنڈت مہرچند داس مہاجن اگروال جَینی مذہب متوطّن قصبۂ سونی پت ضلع دہلی نے حال ہی میں ساری گلستاں کا ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں نہایت کوشش سے کیا ہے جو ۱۸۸۸ء میں چھپکر شائع ہوگیا ہے۔ اِس ترجمہ کا نام پُشپوپ بن رکھا ہے جو کہ لفظ گلستاں کا مُرادف ہے۔ پنڈت صاحب نے پندنامۂ شیخ عطار کا بھی بھاشا ترجمہ چوپائی وزن کی نظم میں لکھا ہے جسکا نام سِکشا پتری ہے۔

ترجموں کے علاوہ گلستان بلکہ بوستان کی بھی بہت سی شرحیں اور فرہنگیں لکھی گئیں ہیں جن میں سے خان آرزو کی خیابان گلستان اور ٹیک چند کی بہار بوستان زیادہ مشہور ہیں - علی الخصوص گلستان کی قدر و منزلت ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے خیالات کے موافق کی ہے - جس طرح اہل علم نے مختلف زبانوں میں اُس کے ترجمے کئے ہیں اور شرحیں وغیرہ لکھی ہیں یا اہل تعلیم نے فارسی تعلیم کی بُنیاد اُسپر رکھی ہے یا منشیوں نے اُس کے فقرات و ابیات سے اپنے منشآت کو زینت دی ہے اسی طرح اُمرا نے اُس کے نسخے نہایت خوش خط لکھوا لکھوا کر اُن کو مُطلّی اور مُذّہب کرایا ہے - یہاں تک کہ ہمارے ملک کے رئیسوں نے بھی جو درس و کتاب سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اُس کی حد سے زیادہ قدر کی ہے - بعضوں نے ایک ایک نسخہ کی تیاری اور تزئین میں لاکھ لاکھ روپیہ کے قریب صرف کیا ہے - اگرچہ ان باتوں کو کتاب کی اصلی عظمت اور خوبی سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن گلستان کی عام مقبولیت پر اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ ہندوستان کے رئیس اسکو اسقدر عزیز رکھیں - گویا اپنے گانے پر کبھی ایسا فخر نہیں کرتا جیسا اُسوقت کرتا ہے کہ ایک اناڑیوں کی مجلس میں جا پھنسے اور اُن کو محظوظ کر کے اُٹھے ۔

گلستان کے ابواب کی عمدہ ترتیب - اُسکے فقروں کی برجستگی - اُسکے الفاظ کی شستگی - اُس کے استعارات کی جزالت - اُسکی تشبیہات و

وتشبیہات کی ظرافت اور پھر باوجود ان تمام باتوں کے عبارت میں نہایت سادگی اور صفائی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شیخ نے اپنی عمر عزیز کا ایک معتدبہ حصہ اُسکی تصنیف میں صرف کیا تھا اور اُسکی تنقیح و تہذیب میں اپنے فکر اور سلیقہ سے پورا پورا کام لیا تھا - چنانچہ دیباچہ گلستاں کے اخیر میں اُسنے صاف کہا ہے کہ "برخے از عمر گرانمایہ بروخرچ کردیم" مگر دیباچہ ہی کی ایک اور عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب فصل بہار کے آغاز میں اُسکا لکھنا شروع ہوا تھا وہ ابھی ختم نہونے پائی تھی کہ کتاب تمام ہوگئی اور اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے کہ شیخ نے گلستاں چند مہینے سے زیادہ میں نہیں لکھی مگر یہ بالکل غلط ہے جو لوگ تصنیف کے درد سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ کلام میں لذت اور قبولیت پیدا نہیں ہوسکتی جبتک کہ اُس کے ایک ایک لفظ میں مصنف کے خون جگر کی چاشنی نہو - اور جسقدر اوس میں زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پائی جاے اُسیقدر سمجھنا چاہئے کہ اُس کی درستی اور کانٹ چھانٹ میں زیادہ دیر لگی ہوگی - یوروپ میں اکثر نامی مصنفوں کے مسودے بہم پہنچا کر نہایت احتیاط اور حفاظت سے رکھے گئے ہیں - چنانچہ اٹلی کے شمالی حصہ میں جو ریرا ایک بستی ہے وہاں مشہور مصنف ایریسٹو کے مسودے ابتک موجود ہیں - اُس مصنف کا کلام سادگی اور صفائی اور بے تکلفی میں مشہور ہے مگر اُس کے مسودے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فقرے لوگوں کو نہایت پسند آتے ہیں اور حد سے زیادہ صاف ہیں وہ آٹھ آٹھ دفعہ کاٹے گئے ہیں - لارڈ مکالی جو انگلستان

کا نہایت مشہور اور مقبول مصنف ہے اسکا ایک مسودہ لنڈن میوزیم میں رکھا ہے اُس میں بھی جابجا کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح پائی جاتی ہے۔ یہانتک کہ بعض فقرے دس دس دفعہ کاٹے گئے ہیں۔ ظاہرا شیخ نے جو گلستان کے دیباچہ میں فصل بہار کا ذکر کیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ گلستان کے لئے جو سرمایہ اُسنے سالہاسال میں جمع کیا تھا وہ پہلے سے اُسکے پاس نامرتب موجود تھا جب وطن میں پہنچا تو دوستوں کی تحریک سے اسکو مرتب کر دیا۔ یہ ترتیب فصل بہار کے آغاز سے شروع ہوئی اور اُس کے تمام ہونے سے پہلے ختم ہوگئی۔ گلستاں اور نیز بوستاں کی ترتیب جس سلیقہ سے شیخ نے کی ہے۔ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسکو اس کام میں بہت وقت اُٹھانی پڑی ہوگی اُسنے ان کتابوں میں زیادہ تر وہ واقعات لکھے ہیں جو خود اُسپر گزرے ہیں یا اُسکے سامنے پیش آئے۔ اور ہر ایک باب کی تکمیل کے لئے کیقدر حکایتیں ایسی بھی لکھی ہیں جو کسی سے سُنیں یا کتابوں میں پڑھیں۔ اس تمام مجموعہ کو گلستان میں آٹھ باب پر اور بوستان میں دس باب پر تقسیم کیا ہے اور ہر ایک باب میں اُسکے مناسب حکایتیں درج کی ہیں اور ظاہرا علم اخلاق کی کوئی فرع ایسی نہیں ہے جو بقدر ضرورت ان میں سے ہر ایک کتاب میں بیان نہ کی گئی ہو۔ یہ بات تقریباً ایسی ہی مشکل تھی جیسے کوئی شخص سیر و سیاحت کے واقعات ایسی ترتیب سے لکھے کہ اُس میں علم اخلاق کے ہر ایک باب کا مطلب اجمالاً یا تفصیلاً بقدر ضرورت آجائے۔ اس ترتیب کی قدر اُسوقت معلوم ہو سکتی ہے کہ دونوں کتابوں کی اصل حکایتوں کو نامرتب کر کے گڈمڈ کر دیا جائے

اور ہر ایک حکایت سے جو نتیجے شیخ نے استخراج کیئے ہیں وُہ اُن میں درج نہ کیئے جائیں اور پھر تمام مجموعۂ حکایات کو جُدا جُدا بابوں پر تقسیم کرایا جائے اور پوچھا جائے کہ وہ حکایت کون سے باب سے علاقہ رکھتی ہے اور یہ کون سے باب سے ۔

جس طرح ہر مُلک میں لٹریچر کی ابتدا نظم سے ہوتی رہی ہے اسی طرح ایران میں بھی اوّل شاعری کا ظہور ہوا تھا ۔ اور دوسری صدی کے اخیر سے جبکہ اوّل ہی اوّل خواجۂ عبّاس مروزی نے مامون کی مدح میں فارسی قصیدہ لکھا ۔ کئی صدیوں تک مُقتضائے وقت کے موافق صرف شاعری کو ترقی ہوتی رہی ۔ فارسی نثر لکھنا اگرچہ ایک مُدّت کے بعد شروع ہو گیا لیکن شیخ کے زمانہ تک اُسکی کوئی عام شاہراہ مقرر نہیں ہوئی اکثر سیدھی سادی عبارت عام روزمرہ اور بول چال کے موافق لکھی جاتی تھی یا اہل علم کسیقدر خواص کے روزمرّہ میں تحریر کرتے تھے ۔ چنانچہ حکیم ناصر خسرو کا سفرنامہ جو کہ پانچویں صدی میں لکھا گیا اُس میں نہایت بے تکلفی سے خواص کی معمولی بول چال میں حالات تحریر کیئے گئے ہیں ۔ اور بعض ادیب اور فاضل جن پر عربیّت غالب تھی اُن کے قلم سے بغیر فکر اور غور کے اکثر عربی لُغات اور اشعار وغیرہ فارسی تحریروں میں تراوش کرتے تھے ۔ مگر نثر میں شاعرانہ شوخی اور جادو پیدا کرنا اور اُس کے فقروں میں ایک خاص قسم کے وزن اور توَل کا لحاظ رکھنا جاری نہوا تھا ۔ خصوصاً کوئی اخلاقی کتاب عمدہ نثر میں شیخ کے زمانہ تک ایسی نہیں لکھی گئی تھی جس میں اخلاق کا بیان واقعات

نفس الامری کے ضمن میں کیا گیا ہو۔ سنہ ۵۵۱ھ میں قاضی حمید الدین ابوبکر نے مقامات بدیعی اور مقامات حریری کی طرز پر فارسی میں مقامات حمیدی لکھی ہے اُس میں نہایت تکلّف اور تصنّع پایا جاتا ہے اُسکی بُنیاد زیادہ تر صنائع لفظی پر رکھی ہے اور تمام کتاب بدیعی اور حریری کی طرح مُقفّٰی اور مُسجّع لکھی ہے اور جس طرح اِن دونوں کتابوں میں فرضی قصّے وضع کیے گئے ہیں اُسی طرح اُس میں بھی محض خیالی افسانے لکھے ہیں جن میں گھٹانے بڑہانے اور ہر قسم کے تصرف کرنیکا اختیار مُصنّف کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے کوئی خیال اِس کے سوا دل میں پیدا نہیں ہوتا کہ مُصنّف کو عربی لغات پر بہت عبور تھا اور تجنیس و ترصیع اور دیگر صنائع لفظی کے برتنے پر کافی قدرت رکھتا تھا۔

ایک اور کتاب موسوم بہ قابوس نامہ پانچویں صدی ہجری کی تصنیف ہماری نظر سے گُذری ہے جس کا مُصنّف قابوس[۱] بن سکندر ملقب بہ عنصر المعالی ہے۔ یہ تمام کتاب اخلاق اور آداب معاشرت میں لکھی گئی ہے اِس کا بیان بہت صاف اور سادہ ہے اور مضامین عُمدہ ہیں لیکن اِس کے سوا کوئی ندرت یا دلفریبی اُسکی عبارت میں نہیں پائی جاتی ✦

[۱] یہ شخص دیالمۂ آل زیار میں سے ایک بادشاہ ہے جس نے جُرجان اور گیلان وغیرہ میں اکیس برس حکمرانی کی ہے اور سنہ ۴۶۲ھ ہجری میں وفات پائی ✦

غرضکہ شیخ نے آنکھ کھولکر نثر کا کوئی ایسا عمدہ نمونہ نہیں دیکھا تھا جسکی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ گلستان کی بُنیاد اُس پر رکھی گئی ہوگی۔ حق یہ ہے کہ وُہ خود ہی اِس روش کا مُوجد تھا اور اُسی پر اُس کا خاتمہ ہوگیا ۔

اُسنے اپنی دونو بے نظیر کتابوں میں برخلاف ایرانی نثاروں کے اپنی بلند پروازی اور نازک خیالی ظاہر کرنی - یا اپنا تفلسف او تبحّرِ علمی جتانا - یا عقل و عادت کے خلاف باتیں لکھکر لوگوں کا دِل لُبھانا - اور عجائبات کا طلسم باندھکر خلقت کو حیرت میں ڈالنا نہیں چاہا - اُسنے دونو کتابوں میں باستثنا چند حکایتوں کے کوئی واقعہ ایسا نہیں لکھا جو عقل یا عادت کے خلاف ہو یا جسکو سُنکر کچھ زیادہ تعجب ہو - وہ اکثر اپنی آنکھ کی دیکھی یا کان سے سُنی یا کسی کتاب سے انتخاب کی ہوئی ایسی سیدھی سادی معمولی باتیں لکھتا ہے جو صبح سے شام تک ہر انسان پر گزرتی ہیں - عام حکایتیں جو اِن دونوں کتابوں میں درج ہیں وُہ اس قبیل کی ہیں کہ مثلاً ایک بدمعاش سائل نے اپنے کو قرضدار ظاہر کرکے ایک بزرگ سے دو دینار حاصل کئے - لوگوں نے کہا یہ تو مکّار تھا اس کو کچھ دینا نہ چاہئے تھا - فرمایا اگر مکّار تھا تو مَیں اُس کے شر سے بچا ورنہ وہ اوروں کے شر سے بچا ۔

یا یہ کہ ایک بادشاہزادہ کے تاج کا لعل اندھیری رات میں ایک پتھریلی جگہ گر پڑا بادشاہ نے بیٹے سے کہا کہ پتھروں میں سے لعل پانا چاہتا

تو ہر ٹھیکری کو لعل سمجھ کر غور سے دیکھ - یا یہ کہ میں چند درویشوں کے ساتھ روم میں پہنچا اور ہم سب ایک ذی مقدور شیخ کے ہاں اُترے - اُسنے ہماری طرح سے خاطر کی مگر کھانے کو کچھ نہ دیا -

اِن سیدھی سادی حکایتوں کو وہ ایسے لطیف اسلوب سے بیان کرتا ہے اور اُن سے ایسے پاکیزہ نتیجے استخراج کرتا ہے کہ ایک نہایت بے حقیقت بات حقیقت میں ایک نکتہ یا ایک دلچسپ قصہ معلوم ہوتا ہے *

گلستاں اور بوستاں کو پڑھکر دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور اقرار کرنا پڑتا ہے - یا تو یہ کہ انتخاب کرنے میں شیخ کا مذاق ایسا صحیح تھا کہ جو حکایت وُہ اِن کتابوں میں درج کرنی چاہتا تھا اُس میں کوئی نہ کوئی لطیف اور چُبھتی ہوئی بات ضرور ہوتی تھی اور یا یہ کہ وُہ اپنی خوش سلیقگی اور حسنِ بیان سے ایک مُتبذل اور پیش پا افتادہ مضمون کو بھی اُسی قدر دلاویز طور پر بیان کر سکتا تھا جیسے ایک نرالے اور اچھوتے خیال کو *

تعجب ہے کہ شیخ کی گلستاں جو آیندہ نسلوں کے لئے نثر فارسی کا ایک لاجواب نمونہ تھی ایران میں اُس کے تتبع کا کسی نے خیال نہیں کیا یا یوں کہیے کہ کسی سے اُسکا تتبع نہیں ہو سکا - اگرچہ شیخ کے بعد نثر فارسی کی ترقی بوسعت انتہا کے درجہ کو پُہنچ گئی اور نثر لکھنے پر ایسے ایسے جلیل القدر فاضلوں نے کمر باندھی جنکا علم و فضل شیخ سے بمراتب فائق تر تھا مگر سب کی ہمت زیادہ تر

الفاظ اور صنائع لفظی پر مقصور رہی*

ایران میں سب سے بڑا انشار فضل اللہ بن عبد اللہ شیرازی سمجھا جاتا ہے جو شیخ کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے اسکی مشہور کتاب تاریخ وصّاف ہے بیشک اُس کا کمال علمی اور عربی و فارسی دونوں زبانوں کی نظم و نثر پر بڑی قدرت معلوم ہوتی ہے لیکن ساری کتاب میں شاید ہی کوئی فقرہ ایسا نکلے جو متوسط درجہ کی استعداد کا آدمی ڈکشنری کھوے بغیر سمجھ سکے یا جسکا انداز بیان دل میں جا کر چبھے سنہ ۱۲ ہجری میں جبکہ سلطان محمد اولجائتو خان خدابندہ کے حکم سے آذربیجان میں شہر سلطانیہ بنکر تیار ہو چکا اور اس خوشی میں سلطان کی طرف سے تمام شہر کی دعوت کی گئی ۔ اُس تقریب میں فضل اللہ بھی موجود تھا اور اُسی زمانہ میں اُسنے تاریخ وصّاف ختم کی تھی ۔ اس کتاب کی تقریب اور تعریف سلطان کے حضور میں کی گئی ۔ سلطان نے اُس میں سے کچھ متفرق فقرے پڑھنے کا حکم دیا ۔ اُسوقت دربار میں وزیر رشید الدین اور قاضی القضاۃ نظام الدین عبد الملک اور خواجہ اصیل الدین طوسی اور بڑے بڑے عالم اور فاضل موجود تھے فضل اللہ نے چند وحائیہ فقرے کہ اُن سے زیادہ سلیس اور آسان عبارت شاید تمام کتاب میں نہوگی خاص سلطان کے سنانے کو لکھے تھے وُہ پڑھنے شروع کئے سلطان ہر فقرہ کے معنی رشید الدین وغیرہم سے پوچھتا تھا ۔ یہہ لوگ اُسکی شرح بہت بسط کے ساتھ کرتے تھے تب سلطان کی سمجھ میں کچھ آتا تھا یا شرمے شرمائے کچھ ہاں ہوں کر دیتا تھا ۔ یہ حال تاریخ وصّاف کی عبارت کا ہے اُس کے بعد بھی زیادہ تر نثر لکھنے والوں نے اسی بات میں کوشش کی ہے کہ اُنکی

نثر کے سمجھنے میں ناظرین کو طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں اور اُن کے علم وفضل اور ہمہ دانی کا اعتقاد دلوں میں پیدا ہو مگر یہ ارادہ بہت کم کیا گیا ہے کہ مفید خیالات زُود فہم الفاظ اور دلاویز عبارت میں ادا کئے جائیں۔

تین کتابیں میری نظر سے گزری ہیں جو شیخ کے بعد گلستان کی طرز پر لکھی گئی ہیں۔ ایک مولانا عبدالرحمٰن جامی کی بہارستان۔ دوسری مجدالدین[1] خوافی کی خارستان۔ تیسری حبیب[2] قاآنی شیرازی کی پریشان سو اوّل ہم بہارستان کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ خارستان کو عبارت کی خوبی اور جزالت کے لحاظ سے بہارستان کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے۔ بلکہ اگر میری رائے غلط نہو تو خارستان کا طریقۂ تحریر اکثر جگہ اہل زبان کی روش سے بیگانہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب دونوں کو گلستان کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے تو جسطرح آفتاب کے سامنے چاند اور شمع دونو کی روشنی کافور ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح بہارستان اور خارستان دونوں کا رنگ پھیکا پڑجاتا ہے اور ایک کو دوسرے سے بہتر کہنے کی کوی وجہ نہیں رہتی۔ حکایتیں اور روایتیں جو ان دونو کتابوں میں درج کی گئی ہیں وہ فی الحقیقت گلستان کی حکایتوں سے بہت ملتی جلتی ہیں اور زیادہ تر مجدالدین خوافی نے اپنی کتاب کے

[1] یہ شخص اکبر کے عہد میں خراسان سے آیا تھا۔ خواف خراسان میں ایک مشہور بستی ہے کہتے ہیں کہ خارستان اُسنے اکبر کے حکم سے لکھی تھی۔

[2] یہ شخص زمانہ حال کا ایک نہایت مسلّم اور مقبول شاعر ہے جسکو اہل ایران خاتم الشعرا سمجھتے ہیں۔ اُسکی وفات کو چالیس[۴۰] برس سے زیادہ نہیں گذرے۔

ابواب بھی اُسی طریقہ پر مرتب کئے ہیں۔ مگر شیخ کے حسن بیان اور لطف ادا سے گلستاں نے ایک خاص صورت پیدا کی ہے جسکے سبب سے وہ بالکل انوکھی اور نرالی چیز معلوم ہوتی ہے۔ ہرچند اس قسم کی مشکل اور مجمل کتابوں میں پورا پورا فرق اور امتیاز کرنا بغیر وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے ممکن نہیں ہے۔ لیکن چند متحد المضمون فقروں کے مقابلہ کرنے سے کسی نہ کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ کونسا اسلوب بیان زیادہ صاف اور پاکیزہ و دلاویز ہے اور کونسا کم۔ اس لئے چند ایسی مثالیں جو نہایت دقت اور جستجو سے بہم پہنچی ہیں۔ اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

گلستان اور بہارستان کا مقابلہ

گلستان ۔ اسکندر را پرسیدند کہ دیار مشرق و مغرب را بچہ گرفتی کہ ملوک پیشین را خزائن و عمر و ملک و لشکر بیش از تو بودہ چنین فتحے میسر نشد گفت بعون خدای عز و جل ہر مملکتے را کہ گرفتم رعیتش را نیازردم و رسوم خیرات گذشتگاں باطل نکردم و نام پادشاہاں جز بہ نکوئی نبردم ۔ بیت بزرگش نخوانند اہل خرد ۔ کہ نام

بہارستان ۔ اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی آنچہ یافتی از دولت و سلطنت و مملکت با صغر سن و حداثت عہد گفت باستمالت دشمنان تا از خاطر دشمنی زائل یافتند و از تعاہد دوستان تا در قاعدہ دوستی استحکام یافتند بیت بایدت ملک سکندر چہ اے از حسن سیر دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر ۔

بزرگاں بزشتی بَرَد **قطعہ**

ایں ہمہ ہیچ ست چوں مے بگذرد
بخت و تخت و امر و نہی وگیر و دار
نام نیک رفتگاں ضائع مکن۔
تا بماند نام نیکت یادگار

اِن دونوں عبارتوں میں باعتبار فصاحت و بلاغت کے جو فرق ہے اُسکا فیصلہ زیادہ تر ذوقِ صحیح پر منحصر ہے مگر جسقدر قید بیان میں آسکتا ہے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن اِس سے محض گلستان کی فوقیت جتانی مقصود ہے نہ کہ بہارستان کی تنقیص کرنی۔ **اوّل** "اسکندر را پرسیدند" اور "اسکندر را گفتند" میں جو فرق ہے وُہ ظاہر ہے۔ سوال کے موقع پر پرسیدن بہ نسبت گفتن کے زیادہ مناسب ہے **دوسرے** شیخ کے ہاں خزائن و عمر و ملک و لشکر چار لفظ ایک دوسرے پر معطوف ہیں اور کوئی لفظ حشو و بیکار نہیں ہے اور مولانا کے ہاں دولت سے اگر سلطنت مراد ہے تو سلطنت و مملکت دونو ورنہ صرف لفظِ مملکت حشو ہے اور صغرسن کے بعد حداثتِ عہد بھی حشو ہے **تیسرے** شیخ کے ہاں بیان میں سوال کرنیکی وجہ ظاہر ہے کیونکہ باوجود کمی لشکر و ملک و عمر وہاں کے مشرق و مغرب کو فتح کرنا تعجب سے خالی نہ تھا۔ اور مولانا کے ہاں سوال کی وجہ ایسی ظاہر نہیں ہے کیونکہ تھوڑی سی عمر میں بہتیرے لوگوں نے دولت اور سلطنت حاصل کی ہے **چوتھے** سکندر کا جواب جو شیخ نے نقل کیا ہے اُسمیں ہرگز اس سے زیادہ اختصار کی گنجایش نہ تھی ورنہ سکندر کا جواب ناتمام رہتا۔ اور جو جواب مولانا نے

نقل کیا ہے وہ ان لفظوں میں ادا ہوسکتا تھا " بہ اشمالتِ دشمناں و تعاہدِ دوستاں "
اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ **پانچویں** شیخ نے جو نتیجہ حکایت کے مضمون سے نکالکر اشعار میں بیان کیا ہے وہ کئی وجہ سے مولانا کے نتیجہ کی نسبت۔ بادہ بلیغ ہے۔ شیخ کا نتیجہ لازمی ہے۔ اور مولانا کا نتیجہ غیر لازمی کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو زیادہ دوست بنالے گا اُسکو ضرور سکندر کیسی سلطنت حاصل ہوجائیگی۔ اس کے سوا مولانا نے حقیقت میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا بلکہ حکایت کا خلاصہ ایک بیت میں دوبارہ بیان کردیا ہے۔ اور شیخ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ایک اچھوتا مضمون ہے کہ جب تک بیان نہ کیا جائے ہر شخص کا ذہن وہاں تک انتقال نہیں کرسکتا۔ نیز شیخ نے ایسا حاوی نتیجہ نکالا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ سلف کی تعظیم اور ادب اور اُن کے محاسن و کمالات کی قدر کرنی ہر شخص کے حق میں مثمر برکات ہے اور مولانا کا نتیجہ صرف سلاطین اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مُلکِ سکندر کی خواہش اُن کے سوا اور کسیکو نہیں ہوتی۔

گلستان۔ رازیکہ نہاں خواہی
باکس درمیاں منہ اگرچہ دوست باشد
کہ مرآں دوست رانیز دوستاں باشند و
ہمچنیں مسلسل **قطعہ**۔ خامشی بہ کہ
ضمیرِ دلِ خویش۔ باکسے گفتن گفتن
کہ مگوے ✦ اے سلیم آب زسر چشمہ

بہارستان۔ اسرارِ نہاں خود را
باہیچ دوستے درمیان منہ زیرا کہ
بسیار بود کہ در دوستی خلل افتد و
بہ دشمنی بدل گردد **قطعہ** اے پسر
تہرے کش از دشمن نہفتن لازم ست۔
بہ کہ از افشاے آں با دوستے کم دم زنی

بہ بند - کہ چو پر شد نتواں بستن جوے

بیت سخنے در خلا نباید گفت - کاں
سخن بر ملا نشاید گفت -

دیدہ ام بسیار کہ بپر سپہر گنج نہاد
دوستاں دشمن شوند و دوستیہا دشمنی -

قطعہ ہر رستہ سر سپہر کہ افتد
بخاطرت - سر رشتہ مکن بہ ہیچ بیانش
نگاشتن - ترسم شود عبرامت
اظہار آں ترا - مشکل تر از ندامت
پوشیدہ داشتن -

اس مثال میں بھی گلستاں کا بیان بہارستان کی نسبت چند وجوہ سے زیادہ بلیغ ہے - ۱ - شیخ کہتا ہے "رازیکہ نہاں خواہی" یعنی جس بھید کو چھپانا منظور ہو اُسے کسی سے نہ کہو - اور مولانا کہتے ہیں "اسرار نہاں خود را" یعنی اپنے پوشیدہ بھیدوں کو ظاہر نہ کرو - حالانکہ بعضے بھید ایسے ہی پوشیدہ ہوں ایک مدت کے بعد کہنے کے لائق ہو جاتے ہیں مگر جن کا چھپانا منظور ہوتا ہے وہ کبھی کہنے کے لائق نہیں ہوتے ۲ - شیخ کہتا ہے "با کس درمیان منہ اگرچہ دوست باشد" اور مولانا کہتے ہیں "با ہیچ دوستے درمیان منہ" پہلے بیان میں دوست اور غیر دوست سب سے راز کہنے کی ممانعت ہے مگر دوسرا بیان جبتک اس طرح نہو "با دوست ہم درمیان منہ" تب تک اس میں تعمیم پیدا نہیں ہوتی - ۳ - شیخ نے راز نہ کہنے کی وجہ بیان کی ہے کہ اُن کے بھی دوست ہوں گے اور اُن دوستوں کے بھی دوست ہوں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلا جائے گا - پس چپکے ہی چپکے راز جمہور میں پھیل جائیگا - مولانا نے جو وجہ بیان کی ہے کہ شاید دوستی

میں خلل آجائے اور دوست دشمن ہوجائے - اگرچہ مطلب دونوں صحیح ہیں لیکن پہلی وجہ زیادہ موجہ ہے کیونکہ یقیناً کوئی شخص دوستوں سے خالی نہیں ہوتا اور دوستی میں فرق آجانا کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا - ۴ - شیخ کا قطعہ بلاغت میں مولانا کے قطعہ سے بمراتب افضل اور فائق تر ہے - پہلی بیت میں اُسنے انسان کی ایک ایسی غامض اور دقیق خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے جو عام نظروں سے مخفی ہے وہ کہتا ہے -

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش * با کسے گفتن و گفتن کہ مگوے

یعنے کسی سے اپنا بھید کہکر اُسکو افشائے راز سے منع کرنا کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ انسان ممنوعات پر زیادہ حریص ہوتا ہے اسلئے اب اُسکو ضبط راز کرنا اور بھی مشکل ہوگا - پس اس سے خاموشی ہی بہتر ہے - دوسری بیت میں ایک نہایت لطیف اور واضح مثال سے مطلب کو خاطر خواہ دلنشین کیا ہے - مولانا کے قطعہ میں کوئی خوبی اس مضمون کے سوا نہیں ہے کہ جو راز دشمن سے چھپانا چاہئے اُسے دوست سے بھی چھپانا چاہئے - مگر آن کے ساتھ لفظ افشا زاید معلوم ہوتا ہے کیونکہ "راز دم مزنی" کی جگہ "از افشائے آں دم مزنی" کہا گیا ہے - دو قطعہ کا اخیر مصرعہ بھی حشو یا تکرار سے خالی نہیں ہے - دوستوں کا دشمن ہوجانا اور دوستی کا دشمنی ہوجانا فی الحقیقت ایک ہی بات ہے ۵ - قطعہ کے بعد شیخ نے ایک فرد لکھی ہے جو فی الواقعہ سہل و ممتنع ہے یعنی -

سخنے در خفا نباید گفت کاں سخن بہ ملا نشاید گفت *

یہ درد وسا اکثر اُسشخص کو ہوجاتا ہے کہ جب صحبت میں کوئی غیر جنس نہیں ہوتا -

تو نا گفتنی باتیں کہنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تخلیہ میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے اغیار مطلع نہیں ہو سکتے حالانکہ وہ باتیں ضرور رفتہ رفتہ مُنتشر ہو جاتی ہیں۔ اس مُجرّب اور سچے مضمون کو جو کسی قدر دقیق بھی تھا ایسے صاف طور سے بیان کیا ہے کہ اُس سے زیادہ بیان کی صفای ممکن نہیں - پھر خلا اور ملا اور ورا ور بر کا مقابلہ اور صنعت ذو قافیتین اُسکے علاوہ ہے - مولانا نے کوی فرد نہیں لکھی مگر ایک دوسرا قطعہ لکھا ہے یعنی "ہر سرّ سر مہر کہ افتد بخاطرت الخ" اسمیں پہلے مصرعہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو راز سربستہ تیرے خیال یا دل میں گزرے اور مطلب یہ ہے کہ جو بھید تیرے دل میں موجود یا مستور ہو - پھر "بموج بیانش نگاشتن" کا لفظ "در اظہار آں" کی جگہ لایا گیا ہے جسمیں نہایت تکلّف ہے - پھر اخیر مصرع میں ندامت کا لفظ شاید بے محل ہے کیونکہ اخفاے راز سے کبھی ندامت نہیں ہوتی باوجود ان تمام باتوں کے دونوں مثالوں میں شیخ کے ہاں کوی لفظ غریب یا غیر مانوس نہیں معلوم ہوتا اور مولانا کے ہاں اکثر الفاظ بمقابلہ گلستان کے الفاظ کے غریب معلوم ہوتے ہیں جیسے حداثتِ عہد - غائلہ - لقاہد - بموجِ بیانش نگاشتن - غرامت •

گلستان اور خارستان کا مقابلہ

گلستان - حکیماں دیر دیر خورند
و عابداں نیم سیر - و زاہداں
تا سدِ رمق و جواناں تا طبق برگیرند

خارستان - ہرکہ در گرسنگی طاقت
نیارد باید کہ سہ یک شکم را از طعام پر کند
و سہ یک دیگر از آب و سہ یک دیگر

و پیراں تا غرق کنند - امّا قلندراں چنداں خورند کہ در معدہ جائے نفس نماند و بر سفرہ روزی کس بیت

اسیر بند شکم را دو شب نگیرد خواب
شبے ز معدہ سنگی شبے ز دلتنگی -

از برائے نفس زدن رہا کنند - امّا صوفیانِ وقت ما می گویند کہ تو ہمہ شکم را از طعام پُر کن - آب خود چیز لطیف است خود را جائے میکند کہ لطیفاں را جائے کم نباشد و نفس را جائے گو مباش بیت بشنو کہ چہ گفت صوفی پرواری - چوں سیر شدی چراغم جاں داری -

گلستان - عالم ناپرہیزگار کور مشعلہ دار است یَهْدِی بِهٖ وَهُوَ لَا یَهْتَدِی بیت بے فائدہ ہر کہ عمر در باخت - چیزے نخرید و زر بینداخت -

خارستان - علم با عمل ہمچو طعام بانمک است ہر کہ ہر دو ہست حکمتے تمام دارد - و طعام بے نمک را چہ تواں کرد بیت عمل بے علم نامضبوط باشد - ہمیشہ شرط با مشروط باشد -

مذکورہ بالا مثالوں کو دیکھکر غالباً ہر شخص جو فارسی زبان سے فی الجملہ آشنا ہے بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ خارستان کی عبارت گلستان کے مقابلہ میں کسقدر کم وزن اور بے وقعت ہے اسی لئے ہم اس مقام کو ناظرین کے مذاق اور تمیز پر چھوڑ دیتے ہیں اور زیادہ نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتے -

پریشان کا مصنف مرزا حبیب قاآنی کتاب مذکور کے خاتمہ کے اشعار
میں تصریح کرتا ہے کہ اسکی عمر تیس برس سے بھی دو تین برس کم تھی جب یہ
کتاب اُسنے لکھی ہے۔ اور شیخ نے گلستان کو سن کہولت اور اوائل سن
شیخوخت میں مرتب کیا ہے۔ پس اگر قاآنی سے گلستان کا پورا پورا اتباع
نہ ہوسکا تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ ایک ایسی کتاب کا سرانجام کرنا جس کی بنا
محض حکمت اور تجربت پر ہونی چاہئے شیخ کے مقابلہ میں ایک نوجوان
ناتجربہ کار کی طاقت سے باہر تھا۔ بلکہ اگر میری رائے غلط نہ ہو تو بڑی عمر
میں قاآنی سے گلستان کا جواب اتنا بھی لکھا جانا مشکل تھا کیونکہ اُس کی تمام
عمر قصیدہ گوئی میں صرف ہوئی ہے جسمیں محض خیالی ڈھکوسلے باندھنے
اور الفاظ تراشی کے سوا حقیقت اور واقعیت سے کچھ غرض نہیں ہوتی
پس جسقدر قصیدہ گوئی میں اسکو مشق و مہارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی اُسی
قدر بیان حقایق اور واقعہ نگاری کا ملکہ اُس سے سلب ہوتا جاتا تھا۔
قاآنی نے بھی گلستان کی طرح پریشان کی عبارت دلچسپ اور دلاویز کرنے
میں بہت کوشش کی ہے مگر سوا اس کے کہ تمام کتاب کو ہزل اور فحش سے
بھردیا اور چند آزاد اور بیباک نوجوانوں کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کر دیا
اور کچھ اُس سے نہیں ہوسکا۔ خاتمہ کتاب کے سوا جس میں اُسنے ابنائے
ملوک کے لئے پند پند کر کے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں تمام کتاب میں دو حکایتوں
کی بنیاد اکثر نہایت غلیظ فحش یا خفیف ہزل پر رکھتا ہے جس کے پڑھنے سے
شرم آتی ہے اور طرہ یہ کہ پھر اُس سے نتایج عارفانہ اور متصوفانہ استخراج

کرتا ہے یہی سبب ہے کہ پریشان کا خاتمہ جس میں شوخی و ظرافت کا کچھ سامان نہیں ہے باب ہشتم گلستان کے مقابلہ میں نہایت پھیکا اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے - تمام خاتمہ میں شاذ و نادر ہی کوئی مضمون ایسا ہوگا جس میں کوئی ندرت پائی جائے - عبارت بے شک عمدہ ہے مگر شیخ کی جادو بیانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا - عام نصائح جو خاتمہ میں درج ہیں وہ اس قبیل کی ہیں "پند پادشاہ باید بہ سخن سخن چیناں اعتماد نکند پند بادشاہ باید دین را توقیر کند و دشمنان دین را تحقیر فرماید پند بادشاہ باید از خدا غافل نماند تا خدا ے از و غافل نباشد پند بادشاہاں را در نظام ممالک وست دُر افشاں بکار و تیغ سر افشاں بیت تاکہ بداں دوستاں شوند فراہم تاکہ بدیں دشمناں شوند پریشاں " اور اگر کہیں عبارت میں اس سے زیادہ حسن پیدا کرنا چاہتا ہے وہاں حقیقت سے دور جا پڑتا ہے - مثلاً پند بادشاہ باید تواضع کند و تکبر نفرماید کہ تواضع صفت انقیاست و تکبر صفت اشقیا - و من گفتہ ام اہل تکبر را در نطفہ غش است چہ سرکشی صفت آتش است و شیطان از آتش است - و اہل تواضع را نطفہ پاک ست چہ افتادگی صفت خاک ست و آدم از خاک بود - اس پند کے پہلے حصہ میں ظاہر ہے کہ کوئی اچھوتا مضمون نہیں ہے اور دوسرے حصہ میں جو اُسنے کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے وہ محض ایک شاعرانہ خیال ہے اور وہ بھی اچھی طرح بیان نہیں ہوسکا - اسی مضمون کو شیخ علیہ الرحمۃ نے بوستان میں اسطرح بیان کیا ہے -

ز خاک آفریدت خداوند پاک | پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہانسوز و سرکش مباش | ز خاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتش ہولناک | بہ بیچارگی تن بنیداخت خاک
چو آں سرفرازی نمود ایں کمی | ازاں دیو کردند ازیں آدمی

البتہ جو عذر کہ قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں کیا ہے اور گلستاں کے مقابلہ میں کتاب لکھنے سے اپنا عذر ظاہر کیا ہے اُس سے اُس کا نہایت انصاف اور گلستان کی قدر شناسی ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے احباب کے نہایت سخت جبر سے پریشان کے لکھنے پر قلم اُٹھایا تھا۔ وُہ لکھتا ہے "کہ ایک نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا کہ گلستاں کی طرز پر نظم و نثر میں ایک کتاب لکھنی چاہئے۔ میں نے کہا۔ بھائی توبہ کر! میں! اور شیخ کی طرز پر کتاب لکھنے کا ارادہ کروں؟ مُسیلمہ نے نبوّت کا دعویٰ کرکے کذّاب کے سوا اور کچھ خطاب نہیں پایا میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے لیکن کیا وہ چاند کی برابری کرسکتا ہے؟ شیخ کی گلستاں ایک باغ ہے جسکے ہر پھول کی پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں اور اہل معنی کی جان قیامت تک اُس کی حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے۔ آخر جب اُسنے نہ مانا اور میرے انکار سے اُس کا اصرار بڑھتا گیا تو مجبور کچھ نظم و نثر اور جدّ و ہزل ترتیب دی گئی اور یہ سمجھا گیا کہ اگرچہ چڑیا پرواز میں شہباز کی برابری نہیں کرسکتی لیکن اُس کو بھی چار و ناچار اُڑنا ہی پڑتا ہے" +

اَب ہم چند ایسے فقرے گلستان اور پریشان سے انتخاب کرکے لکھتے ہیں جو مُتّحِد المضمون ہیں ٭

گلستان اور پریشان کا مقابلہ

مثال ۱

گلستان اے فرزند دخل آبِ رواں ست وخرج آسیاے گرداں ۔ یعنی خرج فراوان کردن مُسلّم کسے را ست کہ دخلے معیّن دارد **قطعہ** چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کن ۔ کہ میگویند ملّاحاں سرودے ٭ اگر باراں بکوہستاں نبارد ۔ بسالے دجلہ گردد خشک رودے ٭

پریشان ۔ دخل سرچشمہ است و مخارج جوئے چند کہ آب سرچشمہ در آنہا جاری ست ۔ ولاشک چوں سرچشمہ مسدود شود جوئہا خشک شود پس ہرکس آب در جو جاری خواہد سرچشمہ را رعایت کند ٭

ایضاً ۔ خرج باندازۂ دخل باید کرد نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل مَوہوم چہ ایں معنی انہایت نامعقول ست کہ بار در پیش قدم و بارگیر در حیّز عدم باشد **قطعہ** الا اے آنکہ خرجت ہست موجود ۔ بکارت مے نیاید دخلِ معدوم ٭ شنیدستی کسے از بہر جولاں ۔ نشیند بر فرازِ اسپِ مَوہوم ٭

اس مثال میں گلستان سے صرف ایک عبارت اور پریشان کے دو مختلف مقامات سے دو عبارتیں ایک ہی مضمون کی نقل کی گئی ہیں مگر شیخ کا بیان قاآنی کی دونوں عبارتوں سے زیادہ بلیغ ہے لیکن جو فرق بہت باریک اور نازک ہیں اُن کا بیان کرنا اول تو مشکل ہے دوسرے یہ امید نہیں کہ ناظرین اسکو غور سے دیکھیں گے ۔ اسی لئے صرف ایسے فرق بتائے جاتے ہیں جو زیادہ روشن اور صاف ہیں ۔ شیخ کے بیان میں مخاطب کو فرزند کے ساتھ تعبیر کرنا عین مقتضائے مقام ہے ۔ ایک تو اظہار شفقت جو ناصح کے لئے ضرور ہے ۔ دوسرے یہ جتانا کہ نوجوان ہی اکثر اس نصیحت کے محتاج ہوتے ہیں ۔ پھر دخل و خرچ کی تشبیہ آب رواں اور پنچکّی کے ساتھ کیسی عمدہ تشبیہ ہے کہ جسقدر نرالی ہے اُسیقدر سچی تُلی بھی ہے ۔ پنچکّی بھی بدون آب رواں کے نہیں چلتی اور خرچ بھی بغیر آمدنی کے نہیں چلتا ۔ پنچکّی بھی پانی کے بند ہو جانے پر کسی عارضی قوّت سے نہیں چلائی جاتی ہے تو اُس کی گردش عارضی اور بے ثبات ہوتی ہے ۔ خرچ بھی جو بدون آمدنی کے اندوختہ وغیرہ سے چلتا ہے بے بنیاد اور ناپائدار ہوتا ہے ۔ پھر اس تمام مطلب کو جو کہ ہم نے تشبیہ کے معنے سمجھانے کے لئے لکھا ہے شیخ نے ان مختصر اور جامع لفظوں میں ادا کیا ہے " یعنی خرچ فراوان کردن مسلّم کسے راست کہ دخلے معین دارد " اس کے بعد قطعہ میں ایک نہایت بدیہی مثال سے کہ بے بنیاد خرچ کا مآل ہر شخص کو آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا ہے اور اُس مقولہ کو ملّاحوں کی طرف منسوب کرکے یہ جتایا ہے کہ یہہ ایسی بدیہی بات ہے کہ دجلے کے کنارے پر ہمیشہ ملّاحی گیتوں میں گائی جاتی ہے

قاآنی نے آمدنی کو منبع سے اور اخراجات کو ندیوں سے تشبیہ دی ہے تشبیہ یہ بھی عُمدہ ہے مگر یہ شیخ کی اُس تمثیل سے ماخوذ ہے جو اُسنے قطعہ میں بیان کی ہے لیکن چونکہ یہ تمثیل نہایت موٹی اور معمولی تھی اسلئے شیخ نے اُسکو ملاحوں کی طرف منسوب کیا ہے اور قاآنی کو یہ بات نہیں سوجھی - پھر قاآنی کے بیان سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سرچشمہ کے بند ہوتے ہی ندیاں خشک ہو جاتی ہیں - اور شیخ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسیقدر مُدت کے بعد خشک ہوتی ہیں اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے جیسا شیخ نے لکھا ہے - پھر شیخ نے منبع کے بند ہو جانے کو قدرتی اسباب یعنی امساک باران کی طرف مُستند کیا ہے اور یہ کہا ہے "اگر باراں بکوہستاں نہ بارد" اور قاآنی کہتا ہے کہ جو شخص ندی جاری رکھنی چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے یعنے اُسکو بند نہونے دے حالانکہ یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے - پھر قاآنی نے تمثیل سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو شخص ندی کا جاری رہنا چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے - اگرچہ مطلب اِس سے بھی مفہوم ہو جاتا ہے لیکن اس جگہ مقتضاے مقام کے موافق اُسکو یہ کہنا چاہئے تھا کہ جو شخص ہمیشہ اپنا خرچ جاری رکھنا چاہے اُسکو آمدنی پر نظر رکھنی چاہئے کیونکہ تمثیل اِسی مطلب کے سمجھانے کو دی گئی ہے نہ اسبات کے سمجھانیکو کہ اگر ندی میں پانی جاری رہنا چاہو تو سرچشمہ کی خبر رکھو - دوسری عبارت کو قاآنی نے اِس جملہ سے شروع کیا ہے "خرج باندازہ دخل باید کرد" اسکے بعد وہ کہتا ہے "نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل موہوم" یہ دوسرا جملہ اُسنے مقتضاے مقام کے موافق نہیں بلکہ اپنی حالت کے موافق لکھا ہے کیونکہ سُنا گیا ہے کہ وہ اکثر جشن و عید وغیرہ کے موقعوں پر دخل موہوم یعنے قصائد کے صلہ

کی توقع پر قرض لیکر خرچ کر لیا کرتا تھا ورنہ مقتضاے مقام یہ ہونا چاہیئے تھا -
"نہ آنکہ دخل اندک باشد و خرج بسیار" یا "نہ آنکہ دخل پنج باشد و خرج دہ" یا اور
اسی مضمون کا کوئی جملہ ہوتا کیونکہ آمدنی کے موافق خرچ کرنے کا مفہوم مخالف یہی
مضمون ہو سکتا ہے - اِس کے سوا وہ مضمون فی نفسہٖ صحیح بھی نہیں ہے - کیونکہ
دخل موہوم کی امید پر خرچ کرنا خاص خاص صورتوں کے سوا کسیکے نزدیک مذموم
نہیں ہے - تمام تاجر اور کاشتکار اور مُدبّران ملک دخل موہوم ہی کے بھروسے
پر لکھوکھا روپیہ خرچ کرتے ہیں - پھر ایسے خرچ کو جو دخل موہوم کی امید پر کیا جاے
موہوم یا معدوم گھوڑے پر سوار ہونے سے کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی معدوم
گھوڑے پر بے شک کوئی سوار نہیں ہو سکتا لیکن دخل موہوم کی امید پر جیسا کہ اوپر
مثال ۲ بیان کیا گیا ہزاروں آدمی خرچ کر سکتے اور کرتے ہیں -

گلستان - خشم بیش از حد گرفتن
وحشت آرد و لطف بیوقت هیبت ببرد
نه چندان درشتی کن که از تو سیر گردند و
نه چندان نرمی که بر تو دلیر **ابیات**
درشتی و نرمی بهم دربه است — چو
رگ زن که جراح و مرهم نه است درشتی
نگیرد خردمند پیش - نه سستی که نازل
کند قدرِ خویش **نظم** جوانے با پدر
گفت اے خردمند - مرا تعلیم کن پیرانه

پریشان - کسانیکه ظرافت و شوخی
بسیار کنند با نهایت رقیق القلب و
وسیع الخلق باشند سرداری و سالاری
لشکر را نشایند - چه این صفات موجب
جسارت لشکریان شود و گاه باشد که
هرچه گوید به ظرافت و شوخی حمل کنند و
نیز اندک مهربانی و وسعت خلق لازم
است که لشکریان را بهم خستن و بستن
نباشد - دو چیز است که از بیم چشم و

یک پند * بگفتا نیکمردی کن نہ چنداں
کہ گردد چیرہ گرگِ تیز دنداں -

گوشِ حقوقِ نعمتِ بادشاہ فراموش
کنند و در مخالفت ہمزباں شوند و
در وقت کار سستی کنند تا کار فاسد
شود **مثنوی** کسے را کہ شد حکمران
بر سپاہ - دو خصلت ہمیداشت باید
نگاہ * عتابے نہاں اندر و صد خطابے
خطابے نہاں اندر و صد عتاب * ہمہ
نوش او نیشہا جاں گداز - ہمہ
نیش او نوشہا دلنواز * بیکدست
شمشیر زہر آب دار - بیک دست
دریاے گوہر نثار *

اِس مثال میں گلستاں اور پریشاں کے مضمون میں کسیقدر فرق ہے - گلستان میں کسی خاص گروہ کی تخصیص نہیں ہے اور پریشاں میں لشکر کے افسروں اور سپہ سالاروں کی تخصیص ہے اسلئے پورا پورا مقابلہ نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ نفس مضمون متّحد ہے اِسواسطے کچھ کچھ پہلو مقابلہ کے نکل سکتے ہیں - شیخ کا بیان لفظاً و معنیً قاآنی کے بیان سے بمراتب فائق تر ہے - اوّل تو شیخ کے فقروں میں ایک خاص قسم کا وزن اور تول ہے جو قاآنی کے فقروں میں نہیں ہے - نثر میں ایسا تناسب بشرطیکہ معنی مقصود اور فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق نہ آئے پرلے درجہ کا کمال انشا پردازی اور اعلیٰ سے اعلیٰ رُتبہ کی شاعری ہے - شیخ کے چاروں

فقروں میں الفاظ متقابلہ ایسی خوبی سے واقع ہوئے ہیں کہ معنی مقصود کو ان سے اور زیادہ رونق ہو گئی ہے۔ یعنی خشم اور لطف۔ بیش از حد اور بیوقت۔ وحشت اور ہیبت۔ آزرد اور ببرد۔ درشتی اور نرمی کو جو فصادکی حالت سے تمثیل دی ہے وہ کیسی بلیغ ہے اور کسقدر مختصر لفظوں میں ادا کی گئی ہے۔ اور دوسری بیت میں کتنا وسیع مضمون دو مصرعوں میں بیان کیا ہے یعنی یہ کہ درشتی کو اپنا اشعار بنا لینا اور کبھی نرمی نہ برتنا جیسا کہ لفظ پیش گرفتن سے مستفاد ہوتا ہے اچھا نہیں ہے کیونکہ عقلمند ایسا نہیں کرتے اور بالکل نرمی ہی نرمی برتنا اور کبھی درشتی نہ کرنا جیسا کہ سستی کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے یہ بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری نظم میں صرف اتنی سی بات کو کہ نیکی بے محل کرنی نہیں چاہیے کیسے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ خصوصاً چنداں کا قافیہ متناسب اور موزون لانیکے لئے کس مطلب کو کن لفظوں میں ادا کیا ہے۔ قاآنی کی نثر میں بمقابلہ شیخ کی نثر کے کوئی خوبی جو قابل ذکر ہو نہیں پائی جاتی۔ اور نظم میں بھی حقیقت اور معنی کی نسبت الفاظ کی چمک دمک زیادہ ہے۔ چونکہ دونوں عبارتوں میں فرق بیّن معلوم ہوتا ہے اسلئے پریشان کی عبارت میں زیادہ نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ۔

اب ہم ان اضافی خوبیوں کا بیان چھوڑ کر گلستان کے ذاتی محاسن کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی عمدہ خاصیتوں میں سے ایک یہ خاصیت بھی فارسی لٹریچر میں نہایت عجیب اور قابل لحاظ ہے کہ فارسی اور اردو کی تحریر و تقریر میں جسقدر گلستان کے جملے اور اشعار اور مصرعے

ضرب المثل ہیں اور کسی کتاب کے نہیں دیکھے گئے ۔ اُن میں سے کسیقدر یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔ ۱ ۔ ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است ۔ ۲ ۔ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت ۔ ۳ ۔ حاجتِ مشاطہ نیست روے دلارام را ۴ ۔ ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر ۔ ۵ ۔ ہر کہ دست از جان بشوید ہر چہ در دل دارد بگوید ۔ ۶ ۔ دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند ۔ ۷ ۔ سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل ۔ چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل ۔ ۸ ۔ پرتوِ نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است ۔ ۹ ۔ افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن کار خردمنداں نیست ۔ ۱۰ ۔ پسرِ نوح با بداں بنشست ۔ خاندانِ نبوتش گم شد ۔ ۱۱ ۔ دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد ۔ ۱۲ ۔ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود ۔ ۱۳ ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ۔ ۱۴ ۔ تونگری بہ دل ست نہ بمال و بزرگی بعقل ست نہ بسال ۔ ۱۵ ۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست ۔ ۱۶ ۔ حسود را چکنم کو ز خود برنج درست ۔ ۱۷ ۔ قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید ۔ ۱۸ ۔ آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند ۔ ۱۹ چو عضوے بدرد آورد روزگار ۔ دگر عضوہا را نماند قرار ۔ ۲۰ ۔ دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم ۔ ۲۱ گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند ۲۲ ہر کجا چشمۂ بود شیریں ۔ مردم و مرغ و مور گرد آیند ۔ ۲۳ ۔ راستی موجب رضاے خدا است ۔ کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست ۔ ۲۴ ۔ آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک ۔ ۲۵ ۔ تو پاک باش برادر مدار از کس باک ۔ زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ ۔ ۲۶ ۔ تاتریاق از عراق آوردہ

شود مارگزیده مُرده شود - ۲۷ به دریا دُر منافع بے‌شمار است - وگر خواهی سلامت
برکنار است ۲۸ دوست آن باشد که گیرد دستِ دوست + در پریشان حالی و
درماندگی ۲۹ در میر و وزیر و سُلطان را + بے وسیلت مگرد پیرامن +
سگ و دربان چو یافتند غریب + این گریبان بگیرد و آن دامن ۳۰
خدای راست مُسلّم بزرگی و الطاف - که جُرم بیند و نان برقرار میدارد
۳۱ بنیادِ ظلم اوّل در جهان اندک بود هر که آمد بر آن مزید کرد تا بدین غایت
رسید ۳۲ هر که با فولاد بازو پنجه کرد + ساعدِ سیمین خود را رنجه کرد - ۳۳ چو
کردی با کلوخ انداز پیکار - سرِ خود را بنادانی شکستی + چو سنگ انداختی
بر روے دشمن - حذر کن کاندر آماجش نشستی ۳۴ کس نیاموخت
علمِ تیر از من - که مرا عاقبت نشانه نکرد ۳۵ دریاب کنون که نعمت هست
بدست - کاین دولت و مُلک میرود دست بدست ۳۶ گر وزیر از خدا
بترسیدے + همچنان کز مَلِک مَلَک بودے ۳۷ بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت -
۳۸ اگر شه روز را گوید شب است این + بباید گفت اینک ماه و پروین -
۳۹ جهاندیده بسیار گوید دروغ ۴۰ چو کارے بے فضولِ من برآید - مرا
در وے سخن گفتن نشاید ۴۱ اگر روزی بدانش برفزودے + ز نادان
تنگ‌تر روزی نبودے ۴۲ محتسب در درونِ خانه چه کار ۴۳ هر که عیبِ
دگران پیش تو آورد و شمرد + بیگمان عیبِ تو پیشِ دگران خواهد بُرد - ۴۴
یارِ شاطرم نه بارِ خاطر - ۴۵ چو از قومے یکے بیدانشی کرد - نه که را منزلت
ماند نه مه را - ۴۶ من آنم که من دانم ۴۷ گهے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم + گهے

بر پشتِ پاے خود نہ بینیم ۴۸ فہمِ سخن گر نکند مستمع - قوّتِ طبع از متکلم مجوی ۴۹
خانۂ دوستاں بروب و درِ دشمناں مکوب ۵۰ درویش صفت باش و کلاہِ
تتری دار - ۵۱ نیک باشی و بدت گوید خلق + بہ کہ بد باشی و نیکت گویند -
۵۲ اگر دنیا نباشد دردمندیم + وگر باشد بمہرش پاے بندیم ۵۳ درویش
ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست ۵۴ پاے در زنجیر پیشِ دوستاں + بہ کہ با
بیگانگاں در بوستاں ۵۵ زنِ بد در سراے مردِ نکو + ہم دریں عالم است دوزخ
او ۵۶ کوفتہ را نان تہی کوفتہ است ۵۷ او خویشتن گم است کرا رہبری
کند - ۵۸ باطل است آنچہ مدعی گوید ۵۹ مرد باید کہ گیرد اندر گوش + ور
نوشتہ است پند بر دیوار ۶۰ خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی ۶۱ - اگر
خاکی نباشد آدمی نیست ۶۲ ہمرہ اگر شتاب کند ہمرہ تو نیست ۶۳ خوے بد
در طبیعتے کہ نشست + نرود جز بوقتِ مرگ از دست ۶۴ حقا کہ با عقوبت
دوزخ برابر است + رفتن بپاے مردی ہمسایہ در بہشت ۶۵ خوردن
براے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردن است ۶۶
نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید + نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید - ۶۷
بعطاے او بہ لقاے او بخشیدم ۶۸ ہر کہ نان از عمل خویش خورد + منت
حاتم طائی نبرد ۶۹ گربۂ مسکین اگر پر داشتے + تخم گنجشک از جہاں بر داشتے -
۷۰ سور ہماں بہ کہ نباشد پیش ۷۱ گفت چشمِ تنگ دنیا دار را + یا قناعت پر
کند یا خاکِ گور ۷۲ منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ۷۳ شاہد
آنجا کہ رود عزت و حرمت بیند + ور بر انند بقہرش پدر و مادر خویش -

۷۵ به از روئے زیباست آواز خوش - کاین حظ نفس ست و آں قوت روح
۷۶ رزق هرچند بیگماں برسد - شرط عقل ست جستن از درها ۷۷ بد وزد
طمع دیدهٔ هوشمند ۷۸ مورچگاں را چو بود اتفاق - شیر ژیاں را بدرانند پوست
۷۹ صیاد نه هربار شکارے ببرد - باشد که یکے روز پلنگش بدرد - ۸۰
گاه باشد که کودکے ناداں - بغلط بر هدف زند تیرے ۸۱ گردن بے طمع
بلند بود ۸۲ ایں شکم بے هنر پیچ پیچ - صبر ندارد که بسازد به هیچ ۸۳ یکے
نقصان مایه و دوم شماتت همسایه ۸۴ اگر از هر دو جانب جاهلانند - اگر زنجیر باشد
بگسلانند - ۸۵ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں ۸۶ تو بر اوج فلک چه دانی چیست -
چوں ندانی که در سرائے تو کیست ۸۷ گر تو قرآں بدیں نمط خوانی - ببری رونق
مسلمانی - ۸۸ چشم بد اندیش که برکنده باد - عیب نماید هنرش در نظر ۸۹
نکوئی با بداں کردن چناں ست - که بد کردن بجائے نیکمرداں - ۹۰ سرمانداری
سر خویش گیر ۹۱ نادیر آں کن که خیر دارست - ۹۲ خطائے بزرگاں گرفتن
خطاست ۹۳ چوں مختلط شد اعتدال مزاج - نه عزیمت اثر کند نه علاج ۹۴ زن
جواں را اگر تیرے در پهلو نشیند به که پیرے ۹۵ تو بجائے پدر چه کردی خیر - تا همان
چشم داری از پسرت ۹۶ اسپ تازی دو تگ رود بشتاب - اشتر آهسته
مے رود شب و روز ۹۷ خر عیسی اگر به مکه رود - چوں بیاید هنوز خر باشد ۹۸
میراث پدر خواهی علم پدر آموز ۹۹ اگر صد عیب دارد مرد درویش - رفیقانش
یکے از صد ندانند - وگر یک ناپسند آید ز سلطاں - ز اقلیمے باقلیمے رسانند -
۱۰۰ هر که در خوردیش ادب نکنند - در بزرگی صلاح ازو برخاست -

۱۰۱ ہر آں طفل کو جورِ آموزگار - نہ بیند جفا بیند از روزگار - ۱۰۲ جورِ اُستاد
بہ ز مہرِ پدر ۱۰۳ چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کن ۱۰۴ کریماں را بدست اندر
درم نیست - خداوندانِ نعمت را کرم نیست ۱۰۵ پراگندہ روزی پراگندہ
دل - خداوند روزی بحق مشتغل ۱۰۶ سگے را گر کلوخے بر سر آید - ز شادی
بر جہد کایں استخوان ست * وگر نعشے دو کس بر دوش گیرند - لئیم الطبع پندارد
کہ خوان ست ۱۰۷ ہر جا کہ گلست خار ست ۱۰۸ منت منہ کہ خدمتِ سلطان
ہمے کنم - منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ۱۰۹ نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپائے برو کتابے چند ۱۱۰ پیش دیوار آنچہ گوئی ہوشدار - تا نباشد
در پسِ دیوار گوش ۱۱۱ ہمہ کس را عقل خود بہ کمال نماید و فرزندِ خود بجمال -
۱۱۲ گر از بسیطِ زمین عقل منعدم گردد - بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم ۱۱۳
کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم - ۱۱۴ درشتی و نرمی بہم در بہ است -
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است ۱۱۵ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار
بگوید ۱۱۶ اندک اندک شود بسیار ۱۱۷ کہ بسیار خوار است بسیار خوار
۱۱۸ بر رسولاں بلاغ باشد و بس ۱۱۹ کہن جامۂ خویش آراستن -
بہ از جامۂ عاریت خواستن *

یہ تمام مقولے جو نقل کئے گئے ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو تحریر
اور تقریر دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں - مگر تقریباً اسیقدر اور فقرے
اور اشعار گلستان میں ایسے بھی ہیں جو محض تحریروں میں برتے جاتے ہیں
وہ یہاں نقل نہیں کئے گئے - یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ دُنیا میں جہاں جہاں

گلستان اور بوستان شائع ہوئی ہیں وہاں زیادہ تر اُن کا استعمال کم عمر اور بے استعداد لڑکوں کی تعلیم وتعلم میں پایا جاتا ہے۔ اور اسی لئے چھ سو برس سے شیخ کے یہ دونوں کارنامے برابر بازیچۂ طفلاں اور دستخوش کودکان رہی ہیں ظاہر ہے کہ جس سن وسال کے لڑکوں کو یہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اُنکی استعداد اور سمجھ اس قابل نہیں ہوتی کہ شیخ کی فصاحت وبلاغت کا جو کہ اُسنے ان کتابوں میں برتی ہے کچھ بھی اندازہ کرسکیں۔ لیکن چونکہ بچوں کا حافظہ عُمدہ ہوتا ہے اسلئے کچھ کچھ فقرے یا اشعار اُن کو یاد رہ جاتے ہیں۔ پس جسقدر گلستان اور بوستان کے فقرے اور اشعار بول چال میں ضرب المثل ہوگئے ہیں اُنمیں زیادہ تر وہ ہیں جو لوگوں کو بچپن سے نوک زبان ہوتے ہیں اور جن کے مضمون سے وہ باوجود صغر سن کے لذّت یاب ہوچکے ہیں۔ ورنہ اگر یہ کتابیں بھی شکسپیر ملٹن کی طرح ایشیا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مطالعہ میں رہتیں اور عورت اور مرد اور بوڑھے اور جوان سب لوگ اُنکو دیکھا کرتے تو میں امید کرتا ہوں کہ گلستان کا ایک بڑا حصّہ اور اُس سے کسیقدر کم بوستان کے اشعار جمہور کی زبان پر اسی طرح جاری ہو جاتے جیسے مذکورہ بالا فقرے اور اشعار زبان زد خاص وعام ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کتابوں میں شیخ کا بیان اسقدر عام طبائع کے مناسب اور ہر فرقہ اور ہر گروہ کی ضرورت اور مذاق اور اغراض کے موافق واقع ہوا ہے کہ ہر فقرہ اور ہر شعر میں ضرب المثل ہونیکی قابلیت پائی جاتی ہے۔ ہمیشہ وُہ اقوال ضرب المثل بنتے ہیں جنکا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو۔ الفاظ سیدھے اور صاف ہوں۔

اور انداز بیان میں کسقدر لطافت پائی جاے - سو یہ خاصیت شیخ کے کلام میں عموماً اور گلستان بوستان میں خصوصاً پائی جاتی ہے -

یہاں ہم گلستان کے متعلق بحث ملتوی کرکے کسیقدر بوستان کا حال لکھتے ہیں - یہ کتاب بھی تقریباً اُسیقدر مقبول ہوئی ہے جسقدر گلستان اور اسکی تعلیم بھی اکثر ملکوں میں اُسی طرح جاری ہے جیسے گلستان کی - مثنوی میں فردوسی کو عموماً تمام شعرا پر ترجیح دی گئی ہے اور حقیقت میں رزم کا بیان باوجود نہایت سادگی اور صفائی کے جیسا مؤثر اور پُرجوش اُسکے قلم سے تراوش کرتا ہے ایسا اور کسی سے بن نہیں آیا - لیکن مثنوی میں مطلقاً فردوسی کو سب سے افضل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے - ہمارے نزدیک جسطرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق نصیحت و پند - عشق و جوانی - ظرافت و مزاح زہد و ریا وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے - شاہنامہ میں جہاں کہیں فردوسی کو بہادری اور رزم کے سوا کوئی اور بیان کرنا پڑتا ہے وہاں اُس کے کلام میں وہ خوبی اور لطافت نہیں پائی جاتی - یہی سبب ہے کہ اُس کی عشقیہ مثنوی یوسف و زلیخا اِسقدر مقبول نہیں ہوئی جسقدر شاہنامہ مقبول ہوا ہے - شیخ نے بوستان میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے میرے کلام کی بہت سی تعریف کرنیکے بعد مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ اُس کو بہادری اور رزم کا بیان کرنا ویسا نہیں آتا جیسا کہ اور لوگوں کو آتا ہے یہ قصہ نقل کرکے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ " ہمکو لڑائی کا خیال ہی نہیں ہے ورنہ ہم کسی

بیان سے عاجز نہیں ہیں ۔ ممکن ہے کہ میں اپنی تیغ زبان کو میان سے نکالکر تمام دفترِ شعر وسخن پر قلم پھیر دوں" اسکے بعد ایک حکایت شاطر صفاہانی کی جنگ تاتار کے ذکر میں لکھی ہے جس سے اپنا رزمیہ بیان دکھانا مقصود ہے اگرچہ شیخ کی شیریں زبانی اور فصاحت کا انکار نہیں ہوسکتا لیکن شاہنامہ کی نظم کے سامنے اسکا رنگ جمنا مشکل معلوم ہوتا ہے ۔

اصل یہ ہے کہ تمام محسوسات اور وجدانیات کے مرغوب و نامرغوب ہونے میں اُلفت و عادت کو بڑا دخل ہے ۔ ہینگ جسقدر عام ہندوستانیوں کو عادت مستمرہ کی وجہ سے مرغوب ہے اسیقدر اکثر غیر ملک والوں کو خلاف عادت ہونے کے سبب نامرغوب ہے ۔ اکثر عطر ہمکو خوشگوار اور غیر ملک والوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں ۔ اسی طرح لطف شعر جو کہ ایک وجدانی امر ہے بغیر الفت و عادت کے ہرگز محسوس نہیں ہوتا ۔ مثلاً انیس و دبیر کے مرثیے جس پیرایہ اور لباس میں مقبول ہوئے ہیں وہ پیرایہ اسقدر مانوس ہوگیا ہے کہ اُسکے بغیر مرثیہ مقبول ہونا مشکل ہے ۔ یعنی ضرور ہے کہ کچھ بند تلوار کی اور کچھ گھوڑے کی تعریف میں لکھے جائیں ۔ کچھ بند ایسے بھی ہوں جنسے خود مرثیہ گو کی تعلّی اور فوقیت اوروں پر ظاہر ہو ۔ یہ بھی ضرور ہے کہ مرثیہ مسدس میں لکھا جائے اور مسدس انہیں بحروں میں سے کسی بحر میں ہو جو انیس و دبیر نے اختیار کی ہیں ۔ پس جن خصوصیتوں کے ساتھ شاہنامہ مقبول ہوا ہے اُن کے بغیر کسی کی رزمیہ نظم مقبول نہیں ہوسکتی ضرور ہے کہ خالص فارسی میں جو عربی الفاظ سے پاک ہو رزم لکھی

جائے۔ اور بیشمار الفاظ جن میں فردوسی نے تصرف کیا ہے اور قیاس لغوی کے خلاف استعمال کئے ہیں کبھی کبھی قصداً اسی طرح برتے جائیں جیسے شاہنامہ میں برتے گئے ہیں اور بے انتہا حشو و زوائد جن سے شاہنامہ بھرا ہوا ہے اشعار میں بہ تکلف داخل کئے جائیں۔ پس شیخ کی رزمیہ حکایت جو ٹھیک شاہنامہ سے میل نہیں کھاتی اسکا یہی سبب ہے کہ شیخ نے ان باتوں میں سے کسی بات کا التزام نہیں کیا۔ فردوسی نے بھی یہی گر اختیار کیا تھا جس سے اُسکی مثنوی مقبول ہوئی۔ دقیقی نے جو فردوسی سے پہلے ہزار بیتوں میں گشتاسپ اور ارجاسپ کی داستان نظم کی تھی وُہ سب کو پسند آچکی تھی۔ جب دقیقی وُہ داستان لکھکر دفعتہً مر گیا اور فردوسی کی نوبت آئی تو اُسنے بھی وہی روش اختیار کی جو دقیقی نے اختیار کی تھی۔ چنانچہ دقیقی کی لکھی ہوئی داستان عام شاہناموں میں موجود ہے۔ دونوں کے کلام میں کوئی نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا یہانتک کہ جو لوگ اس حال سے واقف نہیں ہیں وہ اُسکو بھی فردوسی ہی کا کلام سمجھتے ہیں۔

فارسی میں چار مثنویاں ہیں جو شُہرت اور قبولیت میں تقریباً متساوی الاقدام ہیں۔ شاہنامہ۔ سکندرنامہ۔ مثنوی معنوی۔ اور بوستان۔ شاہنامہ اور مثنوی معنوی کو سکندرنامہ اور بوستان سے وہ نسبت ہے جو ایک کامل خوشنویس کی بے ساختہ مشق کو اُسکے بنائے ہوئے اور مُرتّب کئے ہوئے قطعہ سے ہوتی ہے۔ قطعہ

اگرچہ رُخ اور کرسی اور حروف کی نشست اور تقسیم وغیرہ کے لحاظ سے مشق کی نسبت بے عیب ہوتا ہے اور اُسکے اجزا میں پست و بلند کا تفاوت بہت کم ہوتا ہے اور تمام حروف تقریباً ہموار اور یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر مشق میں بہت سی کششیں اور دوائر وغیرہ بے ساختہ اُس کے قلم سے ایسے نکل جاتے ہیں کہ اگر خوشنویس خود کوشش کرے تو قطعہ میں شاید ویسی کششیں اور دوائرے نہ لکھ سکے - یہی سبب ہے کہ خوشنویس لوگ اگلے استادوں کی مشق کو اُن کے قطعات سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں فردوسیؒ اور مولانا رومؒ نے اگرچہ اپنی مثنویوں میں بخلاف نظامیؒ اور سعدیؒ کے الفاظ کی زیادہ تنقیح و تہذیب اور کانٹ چھانٹ نہیں کی مگر باوجود اسکے صدہا مقامات اُن سے ایسے حُسن و خوبی کے ساتھ ادا ہوے ہیں کہ تکلف اور ساختگی کی حالت میں شاید ادا نہ ہو سکتے۔

بوستان اور سکندر نامہ صرف اِس لحاظ سے کہ دونوں بکمال تنقیح و تہذیب اور زحمتِ فکر و نظر کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور دونوں میں صنعتِ شاعری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے - شاید ایک دوسرے سے مُشابہ ہوں - لیکن دونوں کے انداز بیان میں بہت بڑا تفاوت ہے سکندرنامہ میں شاعرانہ مُبالغہ - زورِ بیان - شوکتِ الفاظ - طرفگی استعارات - تنوع تشبیہات - ایک ایک مطلب نئے نئے اسلوب سے ادا کرنا - ہر داستان کو ایک بڑی دھوم دھام کی تمہید کے ساتھ شروع کرنا اور اِسی طرح کی اور شاندار باتیں پائی جاتی ہیں - برخلاف اسکے بوستان

ہیں نہایت سادگی۔ الفاظ کی نرمی اور گھلاوٹ۔ ترکیبوں کا سلجھاؤ۔ بیان کی صفائی۔ عبارت کی دلنشینی۔ خیالات کی ہمواری۔ مبالغہ میں اعتدال۔ ماخذمیں سہولیت۔ حسن ترتیب۔ لطف ادا۔ تمثیلات کی برجستگی۔ استعارات کی لطافت۔ کنایات کی شوخی۔ باوجود صنعت شاعری کے نہایت بے تکلفی اور باوجود ساختگی کے کمال بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔

مثلاً اس مطلب کو کہ زمین میں خدا کی بے انتہا مخلوق دبی ہوئی ہے۔ مولانا نظامی سکندر نامہ میں اسطرح ادا کرتے ہیں۔

فلک در بلندی زمیں درمغاک	یکے طشتِ خوں شد یکے طشتِ خاک
ہشتہ بریں ہردو آلودہ طشت	زخونِ سیاوش پسے سر نوشت
زمیں گر بضاعت بروں آورد	ہمہ خاک در زیرِ خوں آورد

یہی مطلب سکندر نامہ میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

کہ داند ایں دخمۂ دام و دَد	چہ تاریخہا دارد از نیک و بد
چہ نیرنگ با بجزواں ساختہ ست	چہ گردن کشاں راسر انداختہ ست

شیخ نے اسی مطلب کو بوستان میں یوں بیان کیا ہے۔

زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک	بگوش آمدم نالۂ درد ناک
کہ زنہار گر مردی آہستہ تر	کہ چشم و بناگوش و روئے ست وسر

یہی مطلب بوستان میں دوسری جگہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

دریں باغ سروے نیامد بلند	کہ باد اجل بیخش از بُن بکند

عجب نیست بر خاک اگر گل شگفت	کہ چندیں گل اندام در خاک خفت

قناعت کی ترغیب سکندر نامہ میں اسطرح دی ہے۔

تو نیز ار نہی بار گردن ز دوش	ز گردن کشاں چو نیاری خروش
چو دریا بسرمایۂ خویش باش	ہم از بود خود سود خود بر تراش
بہائی خویش تا روز مرگ	ورختے شو از خویشتن ساز برگ
چو پیلہ ز برگ کساں خورد گاز	ہمہ تن شد انگشت وقت گداز

بوستان میں یہی مطلب اسطرح ادا ہوا ہے۔

شنیدی کہ در روزگار قدیم	شدے سنگ بر دست ابدال سیم
پنداری ایں قول معقول نیست	چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست
چو طفل اندروں دار از حرص پاک	چہ مشتے زرش پیش وچہ مشتے خاک
خبر دہ بدرویش سلطان پرست	کہ سلطاں ز درویش مسکیں تراست
گدا را کند یک درم سیم سیر	فریدوں بملک عجم نیم سیر
گدائے کہ بر خاطرش بند نیست	بہ از بادشاہے کہ خرسند نیست
بخسپند خوش روستائی و جفت	بذوقے کہ سلطاں در ایوان نخفت

مآل اندیشی اور پیش بینی کی نصیحت سکندر نامہ میں اس طرح کی گئی ہے۔

میفگن گول گرچہ عار آیدت	کہ ہنگام سرما بکار آیدت
خرے بر کریوہ ز سختی بمرد	کہ از کاہلی جل با خود نبرد

یہی مضمون بوستان میں اسطرح ادا کیا گیا ہے۔

بہ دختر چہ خوش گفت بانوی دہ
کہ روزِ نوا برگِ سختی بنہ

ہمہ وقت پُر دار مشک و سبوے
کہ پیوستہ در دہ روان نیست جوے

سکندر نامہ میں عہدِ شباب پر تحسّر اسطرح کیا گیا ہے ٭

جوانی شد و زندگانی نماند
جہان گو ممان چون جوانی نماند

جوانی بود خوبیِ آدمی
چو خوبی رود کے بود خرّمی

چو پیوست و پوسیدہ شد استخوان
دگر قصّۂ خوبروئی مخوان

غرورِ جوانی چو از سر گذشت
ز گستاخ کاری فرو شوی دست

بہی چہرہ باغ چندان بود
کہ شمشاد با لالہ خندان بود

چو بادِ خزانی در افتد بہ باغ
زند دہد جاے بلبل بہ زاغ

بود برگ ریزان چو شاخِ بلند
دلِ باغبان زان شود دردمند

بیاجیں ز بستان شود ناپدید
درِ باغ را کس بجوید کلید

بنال اے کہن بلبل سالخورد
کہ رخسارۂ سرخ گل گشت زرد

دوتا شد سہی سروِ آراستہ
کہ دلبر شد از باغ برخاستہ

چو تاریخ پنجہ در آمد بہ سال
دگرگونہ شد بر شتابندہ حال

سر از بارِ سنگی درآمد بہ سنگ
جنازہ بہ تنگ آمد از راہِ تنگ

فرو ماند دستم ز مے خواستن
گران گشت پایم ز برخاستن

تنم گونۂ لاجوردی گرفت
گلم سرخی انداخت زردی گرفت

ہیونِ روندہ ز رہ ماندہ باز
بیالیں گر آمد سرم را نیاز

ہمان گورِ چوگانی باد پاے
بصد زخم چوگان نجنبد ز جاے

طرب را به میخانه گم شد کلید	نشانِ پشیمانی آمد پدید

بوستان میں یہی مضمون ایک حکایت کے ضمن میں اس طرح ادا کیا گیا ہے ؎

چو بادِ صبا بر گلستاں وزد	چمیدن درختِ جواں را سزد
چمد تا جوان ست و سر سبز خید	شکستہ شود چون بزردی رسید
بہاراں کہ باد آورد بید مشک	بریزد درختِ کہن برگ خشک
نزیبد مرا با جواناں چمید	کہ بر عارضم صبحِ پیری دمید
بقید اندرم جُرّہ بازے کہ بود	دمادم سررشتہ خواہد ربود
شمارا ست نوبت بریں خوان نشست	کہ ما از تنعّم بشستیم دست
چو بر سر نشست از بزرگی غبار	دگر چشمِ عیشِ جوانی مدار
مرا برف بارید بر پرِ زاغ	نشاید چو بلبل تماشائے زاغ
کند جلوہ طاوس صاحب جمال	چہ میخواہی از بازِ برکندہ بال
مرا غلّہ نیک آمد اندر درو	شما را کنوں میدمد سبزہ نو
گلستانِ ما را طراوت گزشت	کہ گل دستہ بندد چو پژمردہ گشت
مرا تکیہ جانِ پدر بر عصاست	دگر تکیہ بر زندگانی خطاست
مسلّم جواں راست برپائے جست	کہ پیراں برند استعانت بدست
گلِ سرخ رویم نگر زرّ ناب	فرو رفت چوں زرد شد آفتاب
ہوس پختن از کودکِ نا تمام	چناں زشت نبود کہ از پیرِ خام
مرا مے بباید چو طفلاں گریست	ز شرمِ گناہاں- نہ طفلانہ زیست

نکو گفت لقمان کہ نا زیستن
بہ از سالہا بر خطا زیستن

ہم از بامداداں در کلبہ بست
بہ از سود و سرمایہ دادن ز دست

جواں تا رساند سیاہی بہ نور
برد پیر مسکیں سپیدی بہ گور

مذکورہ بالا مثالوں کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ کے خیالات ہمیشہ سہل الماخذ ہوتے ہیں - وُہ معنیِ مقصود کو ایسی تمثیلوں میں بیان کرتا ہے جو ہمیشہ خاص و عام کے مشاہدہ میں آتی ہیں - بخلافِ مولانا نظامیؒ کے کہ اُن کے خیالات اور تمثیلات اکثر غرابت اور ندرت سے خالی نہیں ہوتیں -

شیخ نے جو شاطرِ صفاہانی کی حکایت میں اپنا رزمیّہ بیان دکھایا ہے۔ اگرچہ بے تکلّفی اور سادگی میں فردوسیؒ کے بیان سے نہیں ملتا لیکن مولانا نظامیؒ کی رزم سے جس میں سادگی کی نسبت شاعری کا زیادہ لُطف ہے بہت مشابہت رکھتا ہے چند شعر اُس حکایت کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار سکندرنامہ کے اِس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں -

بوستان

دو لشکر بہم بر زدند از کمیں
تو گفتی زدند آسماں بر زمیں

ز باریدنِ تیر ہمچوں تگرگ
بہر گوشہ بر خاست طوفانِ مرگ

سکندرنامہ

دو لشکر چو مور و ملخ تاختند
بنرِ جہاں در جہاں ساختند

بشمشیرِ پولاد و تیرِ خدنگ
گذرگاہ بر مور کردند تنگ

بصید ہژبران پرخاش ساز
کمند اژدہاے مسلسل شکنج
کمند اژدہاے دہن کردہ باز
دہن باز کردہ بتاراج گنج
زمیں آسماں شد ز گرد کبود
زمیں کو بساطے بُد آراستہ
چو انجم درو برق شمشیر و خود
غبارے شد از جاے برخاستہ
چو ابر اسپ تازی بر انگیختیم
برانگیخت زرے جو بارندہ میغ
چو باراں پلارک فرو ریختیم
تگرگش ز پیکان و باراں ز تیغ

مگر حق یہ ہے کہ ایک دو حکایت کے ملا دینے سے مساوات اور برابری کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ رزم میں فردوسی اپنی جگہ اور نظامی اپنی جگہ فی الحقیقت اپنا مثل نہیں رکھتے۔

شیخ علی حزین نے جسکو ہندوستان میں خاتم الشعرا سمجھتے ہیں بتیس یا چھتیس صفحے کی ایک مثنوی جس کا نام خرابات ہے بوستاں کی طرز میں لکھی ہے اور اپنی عادت کے موافق اُس پر بہت کچھ افتخار کیا ہے چنانچہ مثنوی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں۔

سخن سنج گر ہست ہشیار مغز
کند قوت جاں ایں گہرہاے نغز
ازیں نامہ گردوں پر آوازہ شد
روان سخن گستراں تازہ شد
نواے کہ ایں خامہ بنیاد کرد
دل طوسی و رودکی شاد کرد
بگوش نظامی اگر میرسید
سرودے ازیں خسروانی نشید
بہ تعظیم من رخ نہادے بخاک
کہ خشنت اے نیز تابناک
دگر سعدی شہد پرور ادا
شنیدے زصور نئے من نوا

سماعش زسر عقل بردے و ہوش   زباں مُہر کردے شدے جملہ گوش

معلوم ہوتا ہے کہ علی حزین نے اپنے نزدیک اس مثنوی میں بوستان کے تتبع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور وہ اسکو اپنے لئے ایک سرمایہ نازش سمجھتا تھا۔ سوانح عمری میں اسی مثنوی کی نسبت لکھتا ہے کہ "بسیارے از مطالب عالیہ و معنان دلپذیر دراں کتاب بسلک نظم درآمد" مگر دونوں کتابوں یعنی بوستان اور خرابات کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صورتیں ایک شکل کی ہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان۔ لفظ اچھے بیان اچھا۔ مطالب عُمدہ۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر شیخ کے بیان میں ایک چھپا ہوا جادو ہے جو بوستان کو خرابات سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثال سے دونوں کا فرق بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ قحط کا بیان ایک جگہ بوستان میں بھی کیا گیا ہے اور خرابات میں بھی اتفاق سے یہ مضمون نکل آیا ہے۔ ہم دونو کے اشعار اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور فرق جو دونو کے طرز بیان اور طریقۂ ادا میں ہے اسکو بھی کسیقدر بیان کریں گے۔

خرابات	بوستان
۱۔ شنیدم کہ در عہد بہرام گور	۱۔ چناں قحط سالی شد اندر دمشق
نمود از قضا قحط سالی ظہور	کہ یاراں فراموش کردند عشق
۲۔ چو صحرائے محشر زمیں تف گرفت	۲۔ چناں آسماں بر زمیں شد بخیل
بہ دریوزۂ آسماں کف گرفت	کہ لب تر نکردند زرع و نخیل

۳- بخورشید سرچشمہ ہاے قدیم
نماند آب جز آبِ چشمِ یتیم

۳- سحاب بیہ دل نشد مہرباں
بحالِ لبِ تشنۂ خاکیاں

۴- نبودے بجز آہِ بیوہ زنے
اگر بر شدے دودِ از روزنے

۴- بخیلی نمود ابر بر کائنات
بمہرِ زمیں سوخت طفلِ نبات

۵- چو درویش بے برگ دیدم درخت
قوی بازوان سست و درماندہ سخت

۵- ز خشکی در اندامِ خاکِ و دو توہ
عروقِ شجر شد چو رگہاے کوہ

۶- نہ در کوہ سبزی نہ در باغ شخ
ملخ بوستاں خوردہ و مردم ملخ

۶- ز تابِ فروزندہ مہرِ بلند
زمیں مجمر و دانہ بودش سپند

۷- بطرے چو پستانِ بے شیر شد
ز خشکی چو پیکان گلوگیر شد

شیخ سعدی نے پہلے ہی شعر کے دوسرے مصرعہ میں جس حسن و لطافت کے ساتھ قحط کی سختی کی تصویر کھینچی ہے اِس سے بہتر کوئی اسلوبِ بیان خیال میں نہیں آتا۔ قحط کی شرح ایک کتاب میں ایسی خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتی جیسی اس ایک مصرعہ میں ہوئی ہے "کہ یاراں فراموش کردند عشق" سہل و ممتنع کا لفظ جو اکثر بولا جاتا ہے وہ اسی قسم کے بیان کو کہتے ہیں کہ بادی النظر میں نہایت سرسری معلوم ہو مگر وہی مطلب دوسری بار کسی سے بلکہ خود مصنف سے بھی ویسا بیان نہ ہو سکے۔ اِس بیان میں لطف یہ ہے کہ قحط کے بیان کے جتنے معمولی اسلوب ہیں یہ اسلوب اُن سب سے علٰحدہ ہے۔ قحط کی سختی ہمیشہ اِس طرح بیان کی جاتی ہے "ایسا قحط پڑا کہ روٹی جان سے زیادہ عزیز ہو گئی۔ آدمی

بھوک میں آدمیوں کو کھا گئے - ماں باپ نے ایک ایک روٹی کے بدلے اولاد کو بیچ دیا - لاکھوں جاندار بھوک سے مر گئے"۔ غرضکہ تمام بیان ایسے ہوتے ہیں جن سے غلہ کی گرانی - پانی کی نایابی - بھوک کی تکلیف اور اور اسی قسم کی باتیں سمجھی جائیں - شیخ نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو سب سے نرالا اور سب سے بلیغ ہے - اِس اسلوب سے اُسکو یہ جتانا مقصود ہے کہ شاعر کے نزدیک عشق ایک ایسی چیز ہے جو کسی حالت میں فراموش نہیں ہوتی - باوجود اس کے لوگ اُسکو بھول گئے تھے - اور یاران کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ مصنّف بھی اُسی عشاق کے جرگے میں سے تھا - دوسرے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ مینہ نہ برسا تھا مگر اُسکو کس عمدگی سے بیان کیا ہے - تیسرے شعر میں پانی کا نایاب ہونا اور پھر یتیم کے آنسو کو اُس سے مستثنیٰ کرنا - چوتھے شعر میں کہیں گھر کے روزن سے باورچی خانے کے دھوئیں کا نہ نکلنا اور پھر اُس سے رانڈوں کی آہ کے دھوئیں کو مستثنیٰ کرنا - پانچویں شعر میں درختوں کو بے برگی میں قحط زدہ درویشوں اور مسکینوں سے تشبیہ دینا اور قوی پہلوانوں کا بے بس اور عاجز ہو جانا یہ تمام اسلوب کسقدر لطیف اور دلکش ہیں - چھٹا شعر بلاغت اور حسن بیان میں تقریباً ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہے جیسا پہلا - باوجود اِن تمام خوبیوں کے کوئی بات ایسی نہیں جو نیچر یا عادت کے خلاف ہو - قحط میں عشق کے ولولوں کا نیست و نابود ہو جانا - درختوں کا سرسبز نہ ہونا - چشموں اور ندیوں کا خشک ہو جانا - یتیموں کا رونا - گھروں میں کھانا نہ پکنا - بے وارث رانڈوں کے آہ و نالے - درختوں کا بے برگ و بار - اور غریبوں کا بے سر و ساماں ہونا - پہلوانوں اور زبردستوں کا

درماندہ ہو جانا - پہاڑ اور جنگل میں سبزہ اور ہریاول کا نہ ہنا - ٹڈیوں کا باغ اور کھیتی کو اور آدمیوں کا ٹڈیوں کو کھانا - یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قحط کے زمانہ میں اکثر کم و بیش ظہور میں آتی ہیں ٭

حزین نے باوجود اس کے کہ خرابات جو چند اوراق سے زیادہ نہیں ہے بوستان سے پانسو برس بعد لکھی ہے اور جیسا کہ اُس کے بیان سے مترشح ہوتا ہے اپنی پوری طاقت شیخ کے تتبع میں صرف کی ہے کوئی کرشمہ اُس کی مثنوی میں ایسا نہیں پایا جاتا جسکو دیکھکر جی بے اختیار پھڑک اُٹھے -

پہلا شعر ہموار اور صاف ہے اُس میں کوئی خوبی قابلِ ذکر نہیں - دوسرے شعر میں زمینِ تفتہ کو صحرائے محشر سے تشبیہ دینا تعریف الشئ بالمجہول کے قبیل سے ہے یعنی ایک ایسی تمثیل ہے جو اہلِ دُنیا کی نظر میں قحط کی تصویر کھینچنے سے قاصر ہے - صحرائے محشر اور تمام اعتقادیات خود تمثیل کی محتاج ہیں اُن پر قیاس کرنے سے کسی شئے کی حقیقت نہیں کُھل سکتی - تیسرا شعر بوستان کے اُس شعر سے ماخوذ ہے جو ذوالنّون مصری اور مصر کے قحط کے بیان میں شیخ نے لکھا ہے اور وُہ یہ ہے -

خبر شد بہ مدین پس از روز بیست ۔۔۔ کہ ابر سیہ دل بر ایشاں گریست

مگر اتنا فرق ہے کہ شیخ نے ابر کے برسنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے جس سے رحم اور برسنا دونوں باتیں ٹپکتی ہیں اور حزین نے برسنے کو مہربان ہونے سے تعبیر کیا ہے جس سے دونوں معنی ویسے صاف نہیں نکلتے - چوتھا شعر شیخ کے اس شعر سے ماخوذ ہے ٭

چناں آسمان بر زمیں شد بخیل کہ لب تر نکردند زرع و نخیل

مگر شیخ کے بیان میں اتنا لطف زیادہ ہے کہ کھڑی کھیتی کا خشک ہو جانا زیادہ حسرت ناک ہے بہ نسبت اسکے کہ تخم زمین کے اندر ہی جل جائے۔ پانچویں شعر کا دوسرا مصرعہ بہت عمدہ مگر پہلا مصرعہ تکلف سے خالی نہیں۔ شعر کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ زمین کی خشکی کے سبب درختوں کی رگیں پہاڑ کی رگوں کی طرح سوکھ گئی تھیں پس اندام اور دوتوہ کے لفظ کو افادہ معنی میں کچھ دخل نہیں ہے چھٹے شعر میں صرف یہ بیان ہے کہ آفتاب کی گرمی سے زمین انگیٹھی کی طرح جلتی تھی اور تخم جو اسپر ڈالا جاتا تھا وہ سپند کا حکم رکھتا تھا پس فروزندہ اور بلند جو دو صفتیں مہر کی واقع ہوئی ہیں انہوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ فروزندہ مہر کہنے سے آفتاب کی گرمی کا زیادہ ثبوت ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ مہر بلند کہنے سے اسکی گرمی کا خیال کم ہو جاتا ہے اور ایسی دو متضاد صفتیں لانی بلاغت کے خلاف ہیں۔ ساتویں شعر کا مضمون بالکل خلاف عادت اور خلاف مقتضائے مقام ہے۔ نہ قحط کا یہ خاصہ ہے کہ شراب کی صراحی کو خشک کر دے اور نہ صراحی کا خشک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قحط کی شدت ہو رہی ہے۔

یہ جو کچھ ہمنے بطور محاکمہ کے لکھا ہے اس سے خان آرزو کیطرح شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنی ہمارا مقصود نہیں ہے اور نہ بوستان کو خرابات سے افضل ثابت کرنا مدنظر ہے کیونکہ نہ ہم شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور نہ بوستان کے افضل ہونے میں کسیکو شبہہ ہے بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ کوئی شئے فی نفسہ کیسی ہی بے عیب ہو جب وہ کسی ایسی شئے کے مقابلہ میں لائی

جاتی ہے جو اُس سے بمراتب افضل اور فائق ہو تو اُس میں بیسیوں فروگذاشتیں اور قصور نظر آنے لگتے ہیں اگر خرابات بوستان کے جواب میں نہ ہوتی اور حسن اتفاق سے ایک مضمون کی حکایتیں دونو مثنویوں میں نہ نکل آتیں تو حزین کے بیان میں چون وچرا کرنے کا ہمکو خیال بھی نہ آتا کیونکہ یہ باتیں تقریباً تمام شعرا کے ہاں عادۃً الورود ہیں۔

اب ہم گلستان اور بوستان کی چند خاصیتیں ایسی بیان کرتے ہیں جو دونوں کتابوں میں تقریباً یکساں پائی جاتی ہیں اور جن کو اُن کے مقبول ہونے میں بہت بڑا دخل ہے۔ مثالوں کی جہاں ضرورت ہوگی کہیں صرف گلستان سے اور کہیں صرف بوستان سے اور کہیں دونوں سے نقل کی جائیں گی۔

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کتابوں کے مقبول ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ان میں سراپا اخلاق اور تہذیب نفس کے مضامین مندرج ہیں مگر میرے نزدیک ان کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اخلاق و موعظت کو شیخ کے سوا کسی نے ایسی خوبی اور لطافت کے ساتھ فارسی زبان میں بیان نہیں کیا۔ اخلاق میں بیسیوں کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں اور اب تک موجود ہیں اور غالباً گلستان و بوستان میں کوئی پند و نصیحت ایسی نہ ہوگی جو اوروں نے نہ لکھی ہو مگر کوئی کتاب ان دونوں کتابوں کے برابر مقبول نہیں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قبول عام کا مدار زیادہ تر حسن بیان اور لطف ادا پر ہے نہ کہ نفس مضامین پر۔ البتہ مضامین کو بھی

شہرت اور قبولیت میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اسی لئے جو محاسن ان کتابوں کے ہم آگے لکھنے چاہتے ہیں وہ کسی قدر مضامین سے اور زیادہ تر حُسنِ معنی اور اسلوب بیان سے متعلق ہوں گے۔

ا۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز بات ان دونوں کتابوں میں یہ ہے کہ جن باتوں میں مشرقی لٹریچر عموماً بدنام ہے وہ ان کتابوں میں اسقدر کم ہیں کہ چند مقامات مستثنی کرنے کے بعد کوئی ایسی بات باقی نہیں رہتی جو زمانۂ حال کے مورل اور سوشل خیالات کے برخلاف ہو۔ اور یہ امر ایسی پُرانی کتابوں میں جنکے زمانۂ تصنیف کو ساڑھے چھ سو برس سے زیادہ گذر چکے ہیں کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے۔

مثلاً مبالغہ اور اغراق جو مشرقی انشا کا خاصہ ہے ان کتابوں میں اتنا کم ہے جتنا ایران کے اَور شعرا کے کلام میں ہیچ۔ اور جہاں ہے وہاں نہایت لطیف اور بامزہ ہے اور اعتدال کی حد سے متجاوز نہیں۔ مثلاً شیخ بوستان میں کہتا ہے۔

میانِ دوکس دشمنی بود و جنگ | سر از کبر بر یکدگر چون پلنگ
ز دیدار ہم تا بحدے رماں | کہ بر ہر دو تنگ آمدے آسماں

دوسری بیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایکدوسرے کی صورت سے ایسے بیزار تھے کہ جب کبھی راہ میں دوچار ہو جاتے تھے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر رستے سے اُلٹے ہٹ جاتے تھے اور اُسوقت کمال نفرت سے اُنکا جی چاہتا تھا کہ آسمان جو سامنے حائل نظر آتا ہے اُسکو توڑ کر نکل جائیں۔ یہ مبالغہ

جیسا کہ بادی النظر میں بڑا معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نفرت ایک نفسانی کیفیت ہے جسکا کوئی اندازہ اور پیمانہ مقرر نہیں ہے پس جسطرح ادنیٰ درجہ کی نفرت یہ ہے کہ دو دشمن ایک مجلس میں اکٹھا ہونا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح انتہا درجہ کی نفرت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عالم میں رہنا پسند نہ کریں۔

اسی طرح شیخ کی نظم و نثر میں جہاں کہیں مبالغہ پایا جاتا ہے لطافت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً گلستاں میں ایک دولتمند بخیل کا ذکر اسطرح سے کرتے ہیں۔ "آوازہ رانشنیدم کہ بخل چناں معروف بود کہ حاتم طائی بسخاوت۔ ظاہر حالش بنعمت دنیا آراستہ و خست نفس در نہادش چنداں متمکن۔ تا بجائیکہ نانے را بجانے از دست ندادے وگربہ ابو ہریرہ را بہ لقمہ ننواختے و سگ اصحاب کہف را استخوانے نینداختے۔ فی الجملہ کسے خانہ او را ندیدے در کشادہ و سفرۂ او را سر کشادہ۔ بیت

درویش بجز بوئے طعامش نشنیدے
مرغ از پس نان خوردن او ریزہ نچیدے"

ایک اور جگہ سمندر کی موج اور طوفان کا بیان اس طرح کیا ہے "دو صد گین تپانچہ مرغابی در و ایمن نبودے" اگر غور سے دیکھیے تو حد سے زیادہ مبالغہ ہے مگر بادی النظر میں کوئی ناممکن بات نہیں معلوم ہوتی۔

سوپرنیچرل یعنی فوق العادۃ باتیں اور عجیب و غریب قصے جن سے قدیم اور متوسط زمانے کا مغربی اور مشرقی لٹریچر بھرا ہوا ہے ان کتابوں میں بہت کم ہیں۔ تمام گلستاں اور بوستان میں صرف دو تین حکایتیں

ایسی ہیں جو اس زمانہ میں مستبعد معلوم ہوتی ہیں اور تاویل کے بعد اُن میں بھی کچھ استبعاد باقی نہیں رہتا۔

علم اخلاق کے بعض اصول جن میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور اب بھی چلا جاتا ہے اگر کسی کتاب میں زمانۂ حال کے فلسفۂ مسلّمہ کے برخلاف ہوں تو اُسپر کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہوسکتی جسکی سب باتوں پر تمام عالم کا اتفاق ہو۔ مثلاً شیخ کے اِس فقرہ پر کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" اکثر مشنیری لوگ یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کیسا ہی مصلحت آمیز ہو سچ کے برابر یا سچ سے بہتر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اِس بحث کے متعلق ہمارے ایک دوست نے نہایت دلچسپ قصّہ نقل کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک علمی سوسائٹی میں چند یورپین عالم اور مشنیری موجود تھے۔ راستی اور دروغ پر ایک مضمون پڑھا گیا۔ جس میں گلستاں کے فقرہ مذکور کی تائید کی گئی تھی۔ ایک پادری صاحب نے کہا کہ مضمون عُمدہ ہے مگر جسقدر اِس فقرہ کی تائید میں لکھا گیا ہے اُس میں سے نکال دینا چاہئے اِسپر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی مگر کچھ فیصلہ نہوا۔ آخر ہمارے دوست جو اِس قصّہ کے راوی ہیں اُنہوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ اِس بحث کا محاکمہ یوں ہوسکتا ہے کہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے تو بیشک جھوٹ بولنا کسی حالت میں جائز نہیں لیکن اگر جھوٹ سے کسی مظلوم کی جان بچتی ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بولنا بیشک سچ بولنے سے بہتر ہے۔ اِسکے بعد اُنہوں نے یہ مثال دی کہ ۱۸۵۷ء میں جو اکثر لوگوں نے

رحم اور انسانی ہمدردی کی راہ سے یورپین عورتوں اور بچوں کو ظالموں اور بے رحموں کو شر سے بچانے کے لئے اپنے گھروں میں چھپا لیا تھا اور باغی لوگ اُنکو ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور ایک ایک سے اُن کا حال پوچھتے تھے ایسی حالت میں جھوٹ بولکر اُن بیگناہوں کو خطرہ سے بچانا بے شک سچ بولنے سے بہتر تھا - اِس تقریر کو تمام مجلس نے پسند کیا اور وُہ فقرہ سب کے اتفاق سے مضمون میں بحال رکھا گیا - مذکورہ بالا توجیہ کی تائید خود شیخ کے کلام سے بھی ہوتی ہے - کیونکہ اُسنے گلستان کے آٹھویں باب میں اپنے ذاتی اغراض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے -

گر راست سخن باشی و در بند بمانی ۔ بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

بعض صاحبوں کی یہ رائے ہے کہ صورتِ مفروضہ میں بھی مقتضائے جوانمردی یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولا جائے بلکہ ظالموں کا مقابلہ کرکے اپنے تئیں اُن مظلوموں پر نثار کیا جائے - جب اپنے میں سے کوئی باقی نہ رہے تب اُن مظلوموں کی باری آئے تو آئے -" لیکن ہمارے نزدیک جبھی تک جوانمردی ہے کہ ظالموں کے مقابلہ کرنے یا اپنی جان پر کھیلنے سے اُن بیگناہوں کی جان بچ جانیکا یقین کامل ہو ورنہ یہ حرکت تہوّر اور نادانی اور سفاہت میں شمار ہوگی -

اسی طرح شیخ کے اِس شعر کے مضمون پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے -

"شمشیر نیک ز آہن بد چوں کند کسے ۔ ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس"

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تعلیم و تربیت اور قانون و مذہب اور تمام سیاستیں عبث اور فضول اور بیکار ہیں - مگر یہ مسئلہ کہ تعلیم سے انسان کی جبلت بدل جاتی ہے یا نہیں - علم اخلاق کے اُن مسائل میں سے ہے جن کا آجتک کسی قطعی دلیل سے فیصلہ نہیں ہوا - انگلستان کے ایک روشن ضمیر مؤرخ کی رائے ہے کہ حال کی سویلیزیشن نے انسان کے اخلاق پر اسکے سوا کچھ اثر نہیں کیا کہ گناہوں کی صورتیں اور نام بدل گئے ہیں مگر گناہ بدستور موجود ہیں - پہلے زمانہ میں بیشک گناہ بہت سخت اور شدید اور صریح ہوتے تھے لیکن بہت کم ہوتے تھے اور اب اگرچہ ویسے شدید اور سخت گناہ نہیں ہوتے لیکن نہایت کثرت سے ہوتے ہیں اور چھپے ہوے ہوتے ہیں - اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹلجاے تو بھی انسان اپنی جبلت سے نہیں ٹلتا *

ایک جگہ شیخ نے کہا ہے کہ " یہودی کیسا ہی دولت مند ہو جاے شریف نہیں ہو سکتا " فی الواقع اس سے کمال تعصب پایا جاتا ہے مگر اسپر کوئی مہذب سے مہذب بھی اعتراض نہیں کر سکتا - ہر قوم اپنی حکومت کے زمانہ میں محکوم قوم کو ایسا ہی سمجھتی رہی ہے آریا نے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو اس سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا - مسلمانوں نے بھی اپنے دورہ میں اپنے برابر کسیکو نہیں سمجھا اور انگریز بھی باینہمہ شائستگی و تہذیب نوبلٹی یا شرافت کو اپنی ہی قوم کے ساتھ مخصوص

جانتے ہیں -

ایک اور جگہ گلستاں میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک مریض بادشاہ کے لئے چند حکمائے یونان نے آدمی کا پتا جو خاص صفات سے موصوف ہو تجویز کیا تھا مگر تجربہ کی نوبت نہیں آئی - یہ بات حال کی تحقیقات کے برخلاف بتائی جاتی ہے - شاید ایسا ہی ہو - مگر شیخ اس اعتراض سے بری ہے - اسکا الزام جو کچھ ہے مجوزین پر ہے نہ اُن کی تجویز کے راوی پر شیخ پر البتہ اُس صورت میں اعتراض ہو سکتا تھا کہ وہ اُن کی تجویز کو پسند کرتا - یا یہ لکھتا کہ اُس سے بادشاہ کو شفا ہو گئی - یا جو فرض معلمین اخلاق کا ہے (یعنی ہر قصہ اور افسانہ سے ایک مفید نتیجہ استخراج کرنا) اُس سے عہدہ برآ ہوتا -

بعض مُلّایانہ اعتراض بھی شیخ کے کلام پر سُنے گئے ہیں - مثلاً اُسنے گلستاں میں کہا ہے - "رہ راست برو اگرچہ دور است + زن بیوہ مکن اگرچہ حور است" - پھر بعض حضرات یہ نقض وارد کرتے ہیں کہ جس امر کی اجازت شریعت سے پائی جاتی ہے اُس سے منع کرنے کے کیا معنی - اور بعضے کٹ مُلّا "بیوہ" کی جگہ "ہیوہ"[1] بتاتے ہیں جسکے معنے اُنہیں کو معلوم ہیں - یہ ویسا ہی اعتراض ہے جیسے کسی نے کہا تھا "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ظاہر ہے کہ شیخ کی کتاب گلستاں کوئی فقہ کا فتاویٰ نہیں ہے کہ

[1] ہیوہ کے معنی لغت میں تجدد اور متغیر ہونے کے لکھے ہیں جو اس شعر میں کسی طرح چسپاں نہیں ہو سکتے۔

جسکی ہر امر و نہی کو امر و نہی مصطلح فقہا پر محمول کیا جاے۔ وہ اکثر اپنے تجربہ اور راے کے موافق جس بات کو بنی نوع کے حق میں مفید سمجھتا ہے اُسکی ترغیب دیتا ہے اور جسکو مضر سمجھتا ہے اُس سے منع کرتا ہے۔ گو فقہا نے اسکو مباح لکھا ہو۔ کیونکہ مباحات میں فعل اور ترک دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے رہی یہ بات کہ شیخ کی راے فی نفسہ کیسی ہے سو حدیث نبوی سے بھی ابکار کی ترجیح ثیبات پر ثابت ہوتی ہے ٭

سب سے زیادہ معقول اعتراض بوستان کی اُس حکایت پر وارد ہوتے ہیں جسمیں شیخ نے سومنات کا قصہ لکھا ہے مگر ہمنے اُس کی بابت پہلے باب میں کچھ عذر لکھے ہیں جن سے اعتراض کسی قدر ہلکے ہو سکتے ہیں ٭

امرد پرستی کا ذکر جو ان کتابوں میں اکثر آتا ہے یہ بھی سخت اعتراض کے قابل بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس باب میں جو کچھ ہمنے خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے وہ شاید ان اعتراضوں کے فیصلہ کے لیے کافی ہو۔

ایسے ایسے اعتراضوں سے بجاے اسکے کہ ان کتابوں کی قدر و قیمت میں کچھ فرق آئے اور زیادہ اُن کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ کپڑا جسقدر اُجلا ہوتا ہے اُسیقدر جلد ذرا سے دھبّے سے میلا ہوتا ہے ان کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔۔ یہ کتابیں ساڑھے چھ سو برس سے برابر تعلیم میں داخل رہی ہیں اور آجکل بھی کہ نہایت نکتہ چینی کا زمانہ

ہے اُسی طرح مشرقی سلسلۂ تعلیم کا جزو اعظم ہیں اُن کے ایک ایک فقرہ اور ایک ایک مصرع کو نہایت غور سے دیکھا گیا ہے۔ مشنریوں نے صرف اسوجہ سے کہ ان میں مسلمانوں کی مذہبی باتیں بہت ملی ہوئی ہیں اور ایسے مضامین کا سلسلۂ تعلیم میں داخل رہنا مشن کے مقاصد کے برخلاف ہے۔ انپر نکتہ چینی کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لیے بڑے بڑے طولانی ریویو لکھکر چھپوائے ہیں۔ نیز اس لحاظ سے کہ ان کتابوں کو زیادہ تر صغیرسن بچے پڑھتے ہیں اور بھی زیادہ چھان بین کی گئی ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے ایسے چند سرسری اعتراضوں کا وارد ہونا جنکے کہ اوپر ذکر کئے گئے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بلاشبہہ اسقدر بے عیب ہیں جسقدر کہ زمانہ متوسط میں انسان کا کلام بے عیب ہوسکتا تھا۔

دوسری عام اور بڑی خوبی جو ان کتابوں کی خصوصیات میں سے ہے وہ شیخ کا انداز بیان ہے جسکا ملکہ اُس کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ یہ بات نہ تو اعد علم بلاغت کی پابندی سے حاصل ہوسکتی ہے اور نہ کسی اُستاد کی تعلیم سے آتی ہے بلکہ جسطرح حسن صورت اور حُسن صوت قدرتی خوبیاں ہیں اسی طرح حُسن بیان بھی ایک جبلّی خاصہ ہے جسمیں اکتساب کو چنداں دخل نہیں اور یہی وہ چیز ہے جسکی کمی اور زیادتی پر شاعری کا نقصان اور کمال موقوف ہے۔ جو مطلب اُسکو بیان کرنا ہوتا ہے اُسکے لئے وہ ایک دلکش اور لطیف پیرایہ ڈھونڈلاتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں

ہوتا۔ مثلاً عربی میں ایک قول مشہور ہے "اَلصَّمْتُ زِیْنَۃُ الْعَالِمِ وَسِتْرُ الْجَاھِلِ (یعنی خاموشی عالم کی زینت ہے اور جاہل کی پردہ پوش اِس مطلب کو وُہ شعر میں اِس طرح بیان کرتا ہے۔

ترا خامشی اے خداوند ہوش | وقار است و نااہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبت خود مبر | وگر جاہلی پردۂ خود مدر

یا مثلاً اُسکو بیان کرتا ہے کہ جو لوگ نصیحت نہیں سُنتے وہ آخر کو پچھتاتے ہیں یا زک اُٹھاتے ہیں۔ اِس مطلب کو وُہ یوں ادا کرتا ہے "ہر کہ نصیحت نشنود سر ملامت شنیدن دارد" یا مثلاً اُس کو یہ بیان کرتا ہے کہ ہر شے کی قدر اُس کے کمیاب ہونے سے ہوتی ہے۔ اسکو وہ اِس طرح لکھتا ہے "اگر شبہا ہمہ شب قدر بودے شب قدر بے قدر بودے" یا مثلاً اُسکو یوں بیان کرتا ہے کہ اپنے سے زیادہ علم والے سے مباحثہ کرنا نادانی ہے۔ اِسکو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے "ہر کہ با داناترے از خود مجادلہ نماید تا بدانند کہ داناست بدانند کہ نادان است" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ سب پیٹ کی خاطر سختی اُٹھاتے ہیں۔ وُہ اِس عنوان سے بیان کرتا ہے "اگر جور شکم نہ بودے ہیچ مُرغ در دام نیفتادے بلکہ صیّاد خود دام ننہادے" یا مثلاً یہ بات کہ حاکم رشوت سے دھیماں ہو جاتا ہے اسطرح بیان کرتا ہے "ہمہ کس را دنداں بہ ترشی کند گردد مگر قاضیاں را بشیرینی" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ ریا کے لئے لذتوں کو ترک کرنا بُرا ہے وُہ اِس اسلوب سے ادا کرتا ہے "ہر کہ ترک شہوت از بہر قبول خلق دادہ است

از شہوت حلال و رشہوت حرام افتادہ است،، یا مثلاً اُسکو یہ لکھنا ہے کہ کسی کی آہ وزاری سے قضائے الٰہی نہیں بدلتی اور قانون قدرت نہیں ٹوٹتا۔ اِسکو وہ اِسطرح اداکرتا ہے۔

قضا دگر نشود ور ہزار نالہ و آہ　　بہ شکر یا بہ شکایت برآید از دہنے
فرشتہ کہ وکیل ست بر خزانۂ باد　　چہ غم خورد کہ بمیرد چراغ بیوہ زنے

یا اُسکو یہ کہنا ہے کہ اے ریاکار یہ دکھاوے کی عبادت تجھکو خدا تک نہ پہنچائیگی۔ اِس مطلب کو وہ یُوں اداکرتا ہے

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

کبھی وہ ایک نصیحت کے مضمون کو جو اُسے بیان کرنا ہے ایک واقعہ کی صورت میں بیان کرکے اُسکو زیادہ پُرتاثیر اور دلنشین کر دیتا ہے مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگ ہزار ہا امیدیں اور ارمان دل میں لئے ہوئے مرگئے اسی طرح ایکروز ہم تم بھی مرجائیں گے اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

شنیدم کہ یکبار در دجلۂ　　سخن گفت با عابدے کلۂ
کہ من فرّ فرماندہی داشتم　　بسر بر کلاہ مہی داشتم
سپہرم مدد کرد و نصرت وفاق　　گرفتم بہ بازوی دولت عراق
طمع کردہ بودم کہ کرمان خورم　　کہ ناگہ بخوردند کرمان سرم
بکن پنبۂ غفلت از گوش ہوش　　کہ از مردگان پندت آید بگوش

اخیر کے شعر سے تمنے یہ بات جتا دی ہے کہ حقیقت میں کوئی کھوپری نہیں

ہولی تھی بلکہ صرف ایک بیان کرنے کا پیرایہ ہے - یا مثلاً اُس کو یہ دکھانا منظور تھا کہ ہر شخص اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل سمجھتا ہے - اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے -

یکے جہود و مسلماں خلاف مے جستند   چنانکہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
بطنز گفت مسلماں گر ایں قبالۂ من   درست نیست - خدایا جہود میرانم
جہود گفت بتوریت میخورم سوگند   وگر خلاف کنم ہمچو تو مسلمانم
گر از بسیط زمیں عقل منعدم گردد   بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

یہ مطلب اگر ایک جلد میں بیان کیا جاتا تو بھی اتنا مؤثر اور دلاویز نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس پیرایہ نے اُسکو دلاویز اور مؤثر کر دیا ہے - یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ امن اور عافیت اسی میں ہے کہ انسان لوگوں کے قصّے جھگڑوں سے علحدہ رہے اور خود داری کو ہاتھ سے نہ دے - اس مطلب کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے -

دو کس گرد دیدند و آشوب و جنگ   پراگندہ نعلین و پرّندہ سنگ
یکے فتنہ دید از طرف برشکست   یکے درمیاں آمد و سر شکست
کسے خوشتر از خویشتن دار نیست   کہ با خوب و زشت کسش کار نیست

یا مثلاً اُسکو یہ دکھانا منظور تھا کہ جو شخص اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں دخل دیتا ہے وہ ایک بڑی جوابدہی اپنے ذمّہ لیتا ہے - اس مطلب کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے -

آں شنیدی کہ صوفیٔ مے کوفت   زیر نعلین خویش میخے چند

استینش گرفت سر ہنگے ... کہ بیا نعل بر سنوم بند"

اسمین پیرایۂ بیان کے علاوہ صوفی کی تخصیص کرنے سے شوخی اور ظرافت بھی انتہا درجہ کی برتی ہے۔ یا مثلاً اُس کو یہ لکھنا تھا کہ بھیک مانگنا جو ایک مذموم خصلت ہے اِس کا الزام صرف فقیروں ہی پر نہیں بلکہ دولتمندوں پر بھی ہے ۔ اِس مطلب کو وہ اِسطرح بیان کرتا ہے ۔

در خواہندۂ مغربی درصف بزازان حلب میگفت اے خداوندانِ نعمت اگر شما را انصاف بودے وما را قناعت رسم سوال از جہان برخاستے"۔ یا مثلاً یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تواضع اور انکسار سے عزت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔ اِس کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

یکے قطرہ باران ز ابرے چکید ... خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم ... گر او ہست حقا کہ من نیستم
چو خود را بچشم حقارت بدید ... صدف در کنارش بجان پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار ... کہ شد نامور لولوئے شاہوار
بلندی بدان یافت کوپست شد ... در نیستی کوفت تا ہست شد

یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح پارسا لوگ رندوں کی صحبت سے منقبض ہوتے ہیں اسی طرح رند لوگ پارساؤں کی صحبت سے گھبراتے ہیں اسکو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے ۔

زاہدے در میان رندان بود ... زان میان گفت شاہدے بلخی

گر ملولی ز ما ترش منشیں   کہ تو ہم در میان ما تلخی

کبھی وہ اپنے ہی کلام کو اوروں کا مقولہ قرار دیکر نہایت بامزہ کر دیتا ہے

جیسے

دو بیتم جگر کرد روزے کباب   کہ مے گفت گویندۂ با رباب

دریغا کہ بے ما بسے روزگار   بروید گل و بشگفد نوبہار

بسے تیر و دے ماہ و اردی بہشت   بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

یا جیسے   چو دخلت نیست خرج آہستہ تر کن   کہ مے گویند ملاحاں سرودے

اگر باراں بہ کوہستاں نبارد   بسالے دجلہ گردد خشک رودے

یا جیسے

ہمچناں در فکر آں بیتم کہ گفت   پیلبانے بر لب دریاے نیل

زیر پایت گر بدانی حالِ مور   ہمچو حالِ تست زیر پاے پیل

یا جیسے

چہ خوش گفت با کودک آموزگار   کہ کارے نکردیم و شد روزگار

یا جیسے

آں شنیدی کہ شاہدے بنہفت   با دل از دست دادۂ مے گفت

تا ترا قدرِ خویشتن باشد   پیش چشمت چہ قدرِ من باشد

۳ - اِن دونوں کتابوں میں یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ باوجودیکہ صنائع لفظی و معنوی اِن میں کثرت سے موجود ہیں - اور تقریباً نصف گلستاں کے فقرے مسجّع اور مقفّٰی ہیں با اینہمہ وہ سادگی میں ضرب المثل

ہیں اور جہاں نثر عاری کا ذکر آتا ہے وہاں سب سے پہلے گلستان کی مثال دی جاتی ہے۔ فی الواقع یہ شیخ کی کمال انشاپردازی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ شاعر اور منشی جب الفاظ کی زیادہ رعایت کرتا ہے تو اُسکے کلام میں خواہی نخواہی بناوٹ اور تکلف پیدا ہو جاتا ہے اور سررشتۂ حُسن معنی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ شیخ نے صنائع لفظی و معنوی کو ایسی خوبصورتی اور سلیقہ سے برتا ہے کہ کہیں ساختگی اور تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ مگر وہ ان عارضی نمائشوں کا ایسا پابند نہیں ہے کہ اُنکے لئے فصاحت و بلاغت سے دست بردار ہو جاوے۔ جہاں الفاظ مساعدت کرتے ہیں وہاں ایک ہلکی سی چاشنی اسکی بھی دیدیتا ہے۔ اُسکی نثر میں مسجّع اور مرصّع فقرے سادے فقروں میں ایسے ملے ہوئے ہیں۔ جیسے پشمینے کی شال میں ریشم کی تار۔ جب تک خاص توجہ سے نہ دیکھا جاوے تمام فقرے یکساں اور ہموار معلوم ہوتے ہیں البتہ بعض حکایتوں میں اُسنے صنائع لفظی و معنوی کی زیادہ رعایت کی ہے جیسے ساتویں باب کی اُنیسویں حکایت جس میں اپنا اور ایک شخص کا مناظرہ تونگری اور درویشی کے باب میں لکھا ہے۔ مگر اُس میں بھی الفاظ کو حسنِ معنی میں خلل انداز ہونے نہیں دیا۔ جسقدر اُس حکایت کے الفاظ میں تناسب اور حسنِ انتظام پایا جاتا ہے اُس سے زیادہ خیالات میں پختگی اور اصلیت اور واقعیت موجود ہے۔ حکایت مذکور کے چند متفرق فقرے بطور نمونہ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

"توانگراں دخلِ مسکینانند۔ و ذخیرۂ گوشہ نشیناں۔ و مقصدِ زائراں۔

وکہف مسافران ۔ ومتحمل بارگران از بہر راحت دگران ۔ دست بطعام آنگہ برند کہ متعلقان و زیر دستان بخورند ۔ وفضلۂ مکارم ایشان بارامل وایتام وپیران واقارب وجیران برسد[1] ✽ ✽ از معدۂ خالی چہ قوّت آید ۔ واز دست تہی چہ مروّت زاید ۔ واز پاے بستہ چہ سیر آید ۔ واز دست گرسنہ چہ خیر ✽ ✽ فراغت با فاقہ نپیوندد ۔ وجمعیت با تنگدستی صورت نبندد ۔ یکے تحریمۂ عشا بستہ ۔ ودیگرے منتظر عشا نشستہ این بدان کے ماند ✽ ✽ ✽ اشارت خواجۂ عالم بفقر طائفہ ایست کہ مرد میدان رضااند ۔ وتسلیم تیر قضا ۔ نہ اینان کہ خرقۂ ابرار پوشند ۔ ولقمۂ ادرار فروشند ✽ ✽ مشغول کفاف از دولت عفاف محروم ست ۔ وملک فراغت زیر نگین رزق معلوم ۔ ✽ ✽ ✽

✽ گفت چندان مبالغہ در وصف ایشان بکردی ۔ وسخنہاے پریشان بگفتی کہ وہم تصوّر کند تریاقند ۔ یا کلید خزانۂ ارزاق ۔ مشتے متکبر مغرور ۔ ومعجب ونفور مشتغل مال ونعمت ۔ ومفتتن جاہ وثروت ۔ سخن نگویند الّا بسفاہت ونظر نکنند الّا بکراہت ۔ علما را بگدائی منسوب کنند ۔ وفقرا را بے سروپائی معیوب گردانند ۔ بعزّت مالے کہ دارند ۔ وغیرت جاہے کہ پندارند ۔ برتر از ہمہ نشینند ۔ وخود را بہتر از ہمہ شناسند ۔ نہ آں در سر دارند ۔ کہ سر بکسے فرو آرند ۔ بیخبر از قول حکما کہ گفتہ اند ہر کہ بطاعت از دیگران کم ست و بنعمت بیش ۔ بصورت توانگر ست وبمعنی درویش ✽ ✽ گفتم مذمّت ایشان روا مدار کہ خداوندان کرم اند ۔ گفت غلط کردی کہ بندگان درم اند

[1] یہ نشان ✽ ✽ اسبات کے ہیں کہ یہاں کچھ فقرے چھوڑ دیئے گئے ہیں ۱۲

چه فایده که ابر آذر اند - و بر کس نمی بارند - و چشمهٔ آفتاب اند و بر کس نمی تابند - و بر
مرکب استطاعت سوارند و نمی رانند - و قدمی بهر خدا ننهند - و درمی بی منّ
و اذی ندهند - مالی بمشقت فراهم آرند - و به خست نگه دارند - و به حسرت بگذارند -
چنانکه بزرگان گفته اند " سیم بخیل وقتی از خاک بر آید که بخیل به خاک در آید -
* * * گفتمش بر بخل خداوندان نعمت وقوف نیافتهٔ الّا بعلت گدائی -
و گرنه هر که طمع یکسو نهد کریم و بخیلش یکی نماید - محک داند که زر چیست - و گدا
داند که ممسک کیست * * * محال عقل ست که اگر ریگ بیابان دُر شود -
چشم گدایان پُر شود * * * هرگز دیدهٔ دست دغائی بر کتف بسته - یا
بعلت بینوائی در زندان نشسته - یا پردهٔ معصومی دریده - یا کفی از معصم
بریده - الّا بعلت درویشی - شیرمردان را بحکم ضرورت در نقب ها گرفته اند
و کعب ها سفته * * * اغلب تهیدستان دامن عصمت بمعصیت آلایند و گرسنگان
نان مردم ربایند بیت

چون سگ درنده گوشت یافت نپرسد — کین شتر صالح ست یا خر دجّال

* * * گفتانه - که من بر حال ایشان رحمت می برم - گفتمش - که بر مال ایشان
حسرت می خوری * * * هر بیدقی که براندی بدفع آن کوشیدمی
و هر شاهی که بخواندی بفرزین بپوشیدمی - تا نقد کیسهٔ همت در باخت - و تیر
جعبهٔ حجت همه بینداخت * * * هر جا که گلست خارست - و با خمر خمار -
و بر سر گنج مار - و آنجا که دُرِ شاهوار ست - نهنگ مردم خوار - لذت عیش دنیا را
لدغهٔ اجل در پیش است - و نعیم بهشت را دیوار مکاره در پیش * * *

نظر نکنی در بستاں کہ بید مشک ست و چوبِ خشک - ہمچنیں در زمرۂ توانگراں شاکرند و کفور - و در حلقۂ درویشاں صابرند و ضجور ۔ ۔ مُقربانِ حضرتِ حق جل وعلا توانگرانند درویش سیرت و درویشانند توانگر ہمت - مہینِ توانگران آنست کہ غمِ درویشاں بخورد - و بہینِ درویشاں آں کہ کم توانگراں گیرد ۔ ۔ ۔ نعم طائفہ ہستند بدیں صفت کہ بیان کردی - قاصر ہمت - و کافرِ نعمت - کہ ببرند و بنہند و نخورند و ندہند ۔ ۔ تو سے بریں نمط ہستند کہ شنیدی - و طائفہ خوانِ نعمت نہادہ و صلائے کرم در دادہ و میان بخدمت بستہ - و ابرو بہ تواضع کشادہ - طالبِ نام اند و مغفرت - و صاحب دُنیا و آخرت ۔

۴ - شیخ اکثر اِن کتابوں میں ایسی حکایتیں لکھتا ہے جن میں باوجود موعظت بلیغ کے کسی قدر ظرافت و خوش طبعی کی بھی گنجایش ہو - پھر اپنے حُسنِ بیان سے تمام حکایت کو نہایت لطیف و ملیح کر دیتا ہے - اور کبھی تو ایک سیدھی سادی حکایت میں کوئی گرم فقرہ یا لطیف کنایہ ایراد کر کے اُس میں نون مرچ لگا دیتا ہے تاکہ پند و موعظت کی تلخی ظرافت کی چاشنی سے دور ہو جائے - چنانچہ گلستان کے خاتمہ میں اُسنے لکھا ہے:-

"غالب گفتارِ سعدی طرب انگیز ست و طیبت آمیز - و کوتہ نظراں را بدیں علت زبانِ طعنہ دراز کہ "مغز دماغ بیہودہ بُردن و دودِ چراغ بے فایدہ خوردن کارِ خردمنداں نیست" ولیکن بر رای روشنِ صاحبدلاں کہ روی سخن در ایشاں

سخت پوشیدہ نماند کہ بعضے غلط ہائے صافی در سلک عبارت کشیدہ است و دارو تلخ نصیحت بشہد ظرافت آمیختہ تا طبع ملول انسان از دولت قبول محروم نماند"

جو ظرافت اُسنے بوستاں اور گلستاں میں برتی ہے وہ اکثر نہایت سنجیدہ اور معقول ہے - البتہ کہیں کہیں اُس کے قلم سے ایسے الفاظ بھی ٹپک پڑے ہیں جو قانونِ شرم و حیا سے کسیقدر متجاوز ہیں - لیکن ایک ظریف طبع اور شوخ مزاج آدمی کا ایسے الفاظ سے بچنا اُسی سوسائٹی میں ممکن ہے جسمیں مرد و عورت تقریباً تمام جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور جہاں مردوں کو عورتوں کی مجالست اور اُن کے تعلیم یافتہ ہونے کے سبب ہمیشہ تحریر و تقریر میں زبان قابو میں رکھنی پڑتی ہے - ورنہ طبیعت کی شوخی ایک ایسی چیز ہے جو بغیر سخت مزاحمت کے کسی طرح رُک نہیں سکتی -

نکو رو تاب مستوری ندارد ... چو در بندی سر از روزن برآرد

اِس قسم کی چند حکایتیں مثال کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں -

مثال ۱ - "دہقان پیرے بودم در دیار بکر کہ مال فراوان داشت و فرزندے خوبرو - شبے حکایت کرد کہ "مرا در ہمہ عمر جز ایں فرزند نبودہ است درختے دریں وادی زیارت گاہ است کہ مردمان بحاجت خواستن آنجا روند - شبہائے دراز در پائے آں درخت بحق نالیدہ ام تا مرا ایں فرزند بخشیدہ" شنیدم کہ پسر با رفیقاں ہمے گفت "چہ بودے اگر من آں درخت را بدانستمے کہ کجاست تا دعا کردمے کہ پدرم زود تر بمیرد" خواجہ شادی کناں کہ پسرم عاقل ست و پسر

طعنه زن که پدرم فرتوت لایعقل **قطعه** سالها بر تو بگذرد که گذر ۔ نکنی سوے
تربت پدرت ٭ تو بجاے پدر چه کردی خیر ۔ تا همان چشم داری
از پسرت ٭

مثال ۲ ۔ پیرمردے را حکایت کنند که دخترے خواسته و حجره بگل آراسته
و بخلوت با او نشسته و دیده و دل در و بسته ۔ شبهاے دراز نخفتے و بذلها و لطیفها گفتے
باشد که موانست پذیرد و وحشت نگیرد ۔ بالجمله شبے مے گفت که بخت بلندت
یار بود و چشم دولت بیدار که بصحبت پیرے افتادی پخته ۔ پرورده ۔ جهاندیده
آرمیده ۔ نیک و بد جهان آزموده ۔ سرد و گرم روزگار چشیده ۔ که حق صحبت
بداند و شرط مودت بجا آرد ۔ مشفق و مهربان ۔ خوش طبع و شیرین زبان
مثنوی تا توانم دلت بدست آرم ۔ ور بیازاریم نیازارم ۔ ور چو طوطی
شکر بود خورشت ۔ جان شیرین فداے پرورشت ۔ نه گرفتار آمدی بدست جوانے
معجب ۔ خیره راے ۔ سرتیز ۔ سبک پاے ۔ که هر دم هوسے پزد ۔ و هر شب جاے
خسپد ۔ و هر روز یارے گیرد **قطعه** جوانان خرم اند و خوب رخسار ۔ ولیکن
در وفا با کس نپایند ۔ وفاداری مدار از بلبلان چشم ۔ که هر دم بر گلے دیگر سرایند
برخلاف پیران که بعقل و ادب زندگانی کنند ۔ نه بمقتضاے جهل و جوانی **بیت**
ز خود بهترے جوے و فرصت شمار که با چون خودے گم کنی روزگار
گفت چندان که برین نمط بگفتم گمان بردم که دلش در قید من آمد و صید من
شد ۔ ناگاه نفسے سرد از دل پر درد برآورد و گفت ۔ که چندین سخن که گفتی در
ترازوے عقل من وزن آن یک سخن ندارد که وقتے شنیده ام از قابله

خویش کہ گفت " زنِ جوان را اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے " ۔ فی الجملہ امکانِ موافقت نبود بمفارقت انجامید ۔ چون مدّتِ عدّتش بسر آمد عقدِ نکاحش بستند با جوانے تُند ۔ تُرش روے ۔ تہیدست ۔ بدخوے ۔ جور و جفا میدید و رنج و عنا مے کشید ۔ و شکر نعمتِ حق ہمچنان میگفت کہ الحمد اللہ از ان عذابِ الیم برہیدم و بدین نعمتِ مُقیم رسیدم **قطعہ**

با تو مرا سوختن اندر عذاب ‌ ‌ بہ کہ شدن با دگرے در بہشت
بوے پیاز از دہنِ خوبروے ‌ ‌ خوب تر آید کہ گل از دستِ زشت

مثال ۳۔ مرا حاجیے شانۂ عاج داد ‌ ‌ کہ رحمت بر اخلاقِ حُجّاج باد
شنیدم کہ بارے سگم خوانده بود ‌ ‌ کہ از من بنوعے دلش مانده بود
بینداختم شانہ کایں استخوان ‌ ‌ نمے بایدم دیگرم سگ مخوان
مپندار چوں سرکۂ خود خورم ‌ ‌ کہ جورِ خداوندِ حلوا برم
قناعت کن اے نفس بر اندکے ‌ ‌ کہ سلطان و درویش بینی یکے
چرا پیشِ خسرو بحاجت روی ‌ ‌ چو یکسو نہادی طمع خسروی

یہاں پہلی بیت کے دوسرے مصرع میں رحمت کا لفظ کنایۃً بجاے نفرین اور اس کے مُرادف الفاظ کے لایا گیا ہے ۔ کیونکہ شُعرا کے نزدیک حاجیوں کی سنگدلی ۔ قساوت اور تکبّر وغیرہ صفات ذمیمہ مُسلّم ہیں ۔ چُنانچہ گلستان میں بھی شیخ نے ایک جگہ لکھا ہے " از من بگوے حاجی مردُم گزاے را ۔ کو پوستینِ خلق بہ آزار میدرد ❊ حاجی تو نیستی شتر است از براے آنکہ ۔ بیچارہ خار مے خورد و بار مے برد " ایک اور شاعر کہتا ہے "

چوں عاملے کہ دل زر و بیخانہ جمع کرد	حاجی ستم بخلق خدا بیشتر کند

پس ظاہر ہے کہ جو شوخی اس کنایہ میں ہے۔ وہ صراحت میں ہرگز ممکن نہ تھی۔ اکثر ناواقف لوگ اس جگہ رحمت کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ مگر حکایت کا مضمون جس سے رنجش اور شکایت پائی جاتی ہے حقیقی معنی سے ابا کرتا ہے۔

مثال ۴ ۔ بازرگانے را دیدم کہ صد و پنجاہ شتر بار داشت ۔ و چہل بندۂ خدمتگار شبے در جزیرۂ کیش مرا بحجرہ خویش برد ۔ و ہمہ شب نیارامید از سخنہائے پریشاں گفتن کہ "فلاں انبارم بترکستان ست ۔ و فلاں بضاعت بہندوستان ۔ و ایں قبالۂ فلاں زمین است ۔ و فلاں مال را فلاں کس ضمین" گاہ گفتے کہ خاطر اسکندریہ دارم کہ ہوایش خوش است ۔ و باز گفتے نہ کہ دریائے مغرب مشوش است سعدیا سفرے دیگر درپیش است ۔ اگر آں کردہ شود بقیت عمر بگوشہ بنشینم گفتم آں کدام سفر است ۔ گفت "گوگرد پارسی بہ چین خواہم بردن کہ شنیدم کہ قیمت عظیم دارد ۔ و از آنجا کاسۂ چینی بروم برم ۔ و دیبائے رومی بہند ۔ و پولاد ہندی بحلب ۔ و آبگینہ حلبی بہ یمن ۔ و بُرد یمانی بپارس ۔ از اں پس ترک سفر کنم و بدکانے نشینم" چند انتے ازیں مالیخولیا فرو گفت کہ بیش طاقت گفتنش نماند ۔ گفت سعدی تو ہم سخنے بگو از آنہا کہ دیدی و شنیدی گفتم ۔ نظم

آں شنیدستی کہ وقتے تاجرے	در بیابانے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را	یا قناعت پُر کند یا خاک گور

مثال ۵ - ملک صالح از پادشاہان شام   برون آمدے صبحدم با غلام
بگشتے در اطراف بازار و کوے   برسم عرب نیمہ بربستہ روے
کہ صاحب نظر بود و درویش دوست   ہر آں کیں دو دارد ملک صالح اوست
دو درویش در مسجدے خفتہ یافت   پریشاں دل و خاطر آشفتہ یافت
شب سردشاں دیدہ نابردہ خواب   چو حربا تامل کناں آفتاب
یکے زاں دو مے گفت با دیگرے   کہ در روز محشر بود داورے
گر ایں پادشاہان گردن فراز   کہ در لہو و عیش اند و با کام و ناز
در آیند با عاجزاں در بہشت   من از گور سر بر نگیرم ز خشت
بہشت برین ملک و ماواے ماست   کہ بند غم امروز بر پاے ماست
ہمہ عمر از ایناں چہ دیدی خوشی   کہ در آخرت نیز زحمت کشی
اگر صالح آنجا بدیوار باغ   درآید بکفشش بدرم دماغ
چو مرد ایں سخن گفت و صالح شنید   دگر بودن آنجا مصالح ندید
دمے رفت تا چشمۂ آفتاب   ز چشم خلائق فروشست خواب
رواں ہر دو کس را فرستاد و خواند   بہیبت نشست و بحرمت نشاند
بر ایشاں ببارید باران جود   فرو شستشاں گرد ذل از وجود
پس از رنج سرما و باران و سیل   نشستند با نامداران خیل
گدایان بے جامہ شب کردہ روز   معطر کناں جامہ بر عود سوز
یکے گفت از ایناں ملک را نہاں   کہ اے حلقہ در گوش حکمت جہاں
پسندیدگاں در بزرگی رسند   ز ما بندگانت چہ آمد پسند

شہنشہ ز شادی چو گل بر شگفت — بخندید در روے درویش و گفت
من آنکس نیم کز غرور حشم — ز بے چارگاں روے درہم کشم
تو ہم با من از سر بنہ خوے زشت — کہ نا سازگاری کنی در بہشت
من امروز کردم در صلح باز — تو فردا مکن در بر ویم فراز
چنیں راہ گر مقبلی پیش گیر — شرف بایدت دست درویش گیر
بر از شاخ طوبیٰ کسے بر نداشت — کہ امروز تخم ارادت نہ کاشت
ارادت نداری سعادت مجوے — بچوگان خدمت تواں برد گوے
ترا کے بود چوں چراغ التہاب — کہ از خود پری ہمچو قندیل ز آب
وجودے دہد روشنائی بجمع — کہ سوزیش در سینہ باشد چو شمع

۵ - وہ اکثر نہایت پاکیزہ اور لطیف نکتے جنسے عموماً اذہان خالی ہوتے ہیں ایسی معمولی اور سرسری باتوں سے نکال لیتا ہے جو عام ذہنوں میں موجود ہوتی ہیں۔

مثال ۱ ”ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات است و چون برمے آید مفرح ذات ۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بہر نعمتے شکرے واجب“ - یہ بات کہ داخلی اور خارجی دونوں سانس انسان کی زندگی اور تفریح کے باعث ہیں سب کو معلوم تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ہر ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ ہر سانس میں خدا کا شکر کرنا واجب ہے۔

مثال ۲ ”چو طفل اندرون دارد از حرص پاک — چہ مشت زرش پیش و چہ مشت خاک

یہ بات سبکو معلوم تھی کہ بچہ حرص اور طمع سے پاک ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ اسکو سونے اور مٹی میں کچھ تمیز نہیں ہوتی - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ سونے اور مٹی کو برابر جاننا جو کہ اعلےٰ درجہ کے عُرفا اور خدا رسیدہ لوگون کا منصب ہے بچہ کو گویا فقط حرص اور طمع سے پاک ہونے کے سبب حاصل ہے کیونکہ سونے اور مٹی میں کچھ فرق نکرنا اُسمیں جبھی تک باقی رہتا ہے جبتک حرص اور طمع پیدا نہیں ہوتی - پس ایک شاعر یہ فلسفی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں -

مثال ۳ - "ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم وگر با چو او صد برائی بجنگ
ازاں مار بر پاے راعی زند کہ ترسد سرش را بکوبد بہ سنگ"

یہ بات سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی عاجز اور زیردست بھی زبردستوں پر غالب آجاتے ہیں اور سانپ کا وار بھی کبھی کبھی چرواہے پر چل جاتا ہے - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنا چاہئے کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں -

مثال ۴ - "وہ کہ گر مُردہ باز گردیدے بمیان قبیلہ و پیوند
رد میراث سخت تر بودے وارثاں را ز مرگ خویشاوند"

یہ بات سبکو معلوم تھی کہ میراث بہت عزیز چیز ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ مرگ خویشاوند سخت مصیبت ہے مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ اگر مُردہ پلٹ کر آتا تو وارثوں کو میراث کا واپس دینا اُسکے ماتم کے رنج سے زیادہ سخت

اور ناگوار ہوتا ۔

اسی طرح وہ نہایت سرسری اور معمولی سرگزشتوں سے ایسے نادر اور اچھوتے نتیجے نکال لیتا ہے جو وہم و گمان میں نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ میرے باپ نے بچپن میں مجھکو ایک انگوٹھی پہنا دی تھی۔ ایک روز ایک شخص نے ایک کھجور دے کر مجھ سے وہ انگوٹھی لے لی۔ چونکہ بچہ انگوٹھی کی قدر نہیں جانتا اسلئے ذرا سی مٹھاس کا لالچ دے کر اس سے لی جا سکتی ہے۔ پس جو لوگ عمر کو عیش شیریں میں برباد کر دیتے ہیں شاید وہ عمر کی قدر نہیں جانتے۔ یا مثلاً میں ایکبار عید کے دن باپ کے ساتھ عیدگاہ میں گیا۔ اتفاقاً خلقت کے ہجوم میں باپ سے بچھڑ گیا میں اسی حالت میں رو رہا تھا کہ باپ نے آکر دفعتاً میرا کان مروڑا اور فرمایا "میں نے تجھکو بارہا کہا ہے کہ میرا دامن پکڑے رہا کر مگر تو نہیں مانتا" سچ ہے جسطرح انجان بچہ اپنے آپ رستہ نہیں چلسکتا اسی طرح سالک بغیر مشائخ اور کاملین کی دستگیری کے منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یا مثلاً میرے جسم میں کپڑوں کے اندر ایک زخم تھا۔ شیخ علیہ الرحمۃ ہمیشہ پوچھتے تھے کہ کیسا ہے مگر یہ کبھی نہ کہتے تھے کہ کہاں ہے اس سے میں نے جانا کہ ہر عضو کا نام لینا روا نہیں ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے اپنے بیٹے کے کان امیٹھکر کہا کہ "نالائق! میں نے تجھکو کلہاڑی لکڑیاں چیرنے کو دی تھی مسجد کی دیوار ڈھانے کو نہیں دی تھی" اسی طرح زبان ذکر اور شکر کے لئے بنی ہے لوگوں کی غیبت کرنے کے لئے

نہیں بنی - یا ایک شخص مٹی میں سنا ہوا مسجد میں جانے لگا - دوسرے نے اسکو جھڑک دیا کہ خبردار جو مسجد میں قدم رکھا" میرا دل یہ بات سنکر بھر آیا کہ افسوس بہشت میں بھی جو ایک پاک جگہ ہے دامن آلودہ لوگ نہ جا سکیں گے ✤

۱۶ - حُسنِ تاویل اور لُطفِ استدلال جیسا اچھا تُلا اُسکے کلام میں پایا جاتا ہے ایسا اور شُعرا کے کلام میں نہیں دیکھا گیا ✤

مثال ۱ - شنیدی کہ در روزگار قدیم — شدے سنگ در دست ابدال سیم
نہ پنداری این قول معقول نیست — چو قانع شدی سیم و سنگت یکے ست

یعنی یہ جو مشہور ہے کہ اگلے زمانہ میں ابدال کے ہاتھ میں پتھر چاندی ہو جاتے تھے - اسمیں کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے - کیونکہ جو لوگ قانع ہوتے ہیں اُن کے نزدیک پتھر اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا - ایک امر خارقِ عادت کو کس حُسنِ بیان کے ساتھ کیسے مختصر لفظوں میں عادت کے موافق ثابت کیا ہے ✤

مثال ۲ - رہِ عقل جُز پیچ در پیچ نیست — بر عارفاں جُز خُدا ہیچ نیست
تواں گفتن این با حقایق شناس — ولے خوردہ گیرند اہلِ قیاس
کہ پس آسمان و زمیں چیستند — بنی آدم و دام و دد کیستند
پسندیدہ پرسیدی اے ہوشمند — بگویم گر آید جوابت پسند
کہ ہامون و دریا و کوہ و فلک — پری آدمی زاد و دیو و ملک
ہمہ ہرچہ ہستند زاں کمتر اند — کہ با ہستیش نام ہستی برند

بہ اوج | بلند ست گردون گرداں عظیم ست پیش تو در یا بہ موج
دلے اہل صورت کجا پے برند | کہ ارباب معنی بملکے درند
کہ گر آفتابست یک ذرہ نیست | دگر ہفت دریاست یکقطرہ نیست
چو سلطان عزت علم بر کشد | جہاں سر بجیب عدم در کشد

یہاں اُسنے وحدت وجود کے اصلی معنی جو کہ اہل نظر کی سمجھ سے بالا تر تھے نہیں بتائے - بلکہ ایک اور معنی جنکو ہر شخص تسلیم کرسکتا ہے نظم میں ایسی لطافت اور خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کوئی اور نثر میں بھی مشکل سے بیان کرسکتا -

مثال ۳ نگہدار فرصت کہ عالم دمے ست | دمے پیش دانا بہ از عالمے ست
سکندر کہ بر عالمے حکم داشت | دراں دم کہ بگذشت و عالم گذاشت
میسر بنودش کزو عالمے | ستانند و فرصت دہندش دمے

یہاں اُسنے دو متضاد دعوےٰ کئے ہیں - ایک یہ کہ عالم ایک سانس کا نام ہے - دوسرا یہ کہ ایک سانس عاقل کے نزدیک عالم سے بہتر ہے پھر دونوں دعووں کو ایک دلیل سے ثابت کیا ہے - کیونکہ جب ایک سانس کے نہ آنے سے تمام عالم سکندر کے ہاتھ سے جاتا رہا تو معلوم ہوا کہ اُسی سانس کا نام عالم تھا اور جب کہ ایک سانس اُسکو تمام عالم کے عوض میں نہ مل سکا تو معلوم ہوا کہ ایک سانس تمام عالم سے بہتر تھا - یہ غایت درجہ کا حُسنِ استدلال ہے کہ دو متضاد دعوے ایسی شگفتہ بیانی اور اختصار اور صفائی کے ساتھ ایک ہی دلیل سے ثابت کئے جائیں اور

حسنِ شعری بھی ہاتھ سے نہ جائے -

کے بیچر کے بیان میں شیخ کا کلام فی الواقع لاثانی ہے - خُدا کی صنعت اور حکمت کے متعلق وُہ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو سب جانتے ہیں لیکن یہ کسی کی طاقت نہیں کہ اُن کو ویسے پاکیزہ اور دلنشین بیان کے ساتھ ادا کر سکے - اُس کے نیچرل بیان پر غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے ؎

شعر

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا | میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مثال ۱ - اگر از حق نہ توفیقِ خیرے رسد | کے از بندہ خیرے بہ غیرے رسد

زباں را چہ بینی کہ اقرار داد | بہ بیں تا زباں را کہ گفتار داد

درِ معرفت دیدۂ آدمی ست | کہ بکشادہ بر آسمان و زمیں ست

کیت فہم بودے نشیب و فراز | گر ایں در نہ کردے بروئے تو باز

سر آورد و دست از عدم در وجود | دریں جود بنہاد و درروئے سجود

و گر نہ کے از دست جود آمدے | محالست کز سر سجود آمدے

بحکمت زباں داد و گوش آفرید | کہ باشند صندوقِ دل را کلید

اگر نہ زباں قصہ بر داشتے | کس از سرِّ دل کے خبر داشتے

و گر نیستے سعیِ جاسوسِ گوش | خبر کے رسیدے بسلطانِ ہوش

مرا لفظِ شیریں خوانندہ داد | ترا سمع دراک دانندہ داد

مدام ایں دو چوں حاجبان بردر اند | ز سلطاں بہ سلطاں خبر مے برند

چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست | ازاں در نگہ کن کہ تقدیر اوست

بِرو بوستان بان به ایوان شاہ   بتحفہ ثمر ہم ز ایوان شاہ

اِس نظم میں اُسنے یہ بات بیان کی ہے کہ بدون خدا کی توفیق کے آدمی سے کچھ نہیں ہوسکتا اور زبان - کان - آنکھ - سر اور ہاتھ جن ظاہری اغراض کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ اغراض بیان کی ہیں - یہ تمام باتیں کم و بیش ہر شخص کو معلوم ہوتی ہیں مگر جس ترتیب سے شیخ نے اُنکو بیان کیا ہے اُس کے لحاظ سے تمام مضمون نرالا معلوم ہوتا ہے - اخیر بیت میں انسان کی بندگی اور عبادت کو باغبان کی ڈالی سے جو کہ بادشاہ ہی کے باغ میں سے بادشاہ کے لئے لگا کر لیجاتا ہے تمثیل دیکر مضمون کا حُسن انتہا کو پہنچا دیا ہے ۔

مثال ۲ دو صد مہرہ در یکدگر ساختست   کہ گل مہرۂ چوں تو پرداختست
رگست درختست اے پسندیدہ خوے   ز بیخ درو سیصد و شصت جوے
بصر در سر و فکر و راے و تمیز   جوارح بدل و دل بدانش عزیز
بہایم بروے اندر افتادہ خوار   تو ہمچوں الف بر قدمہا سوار
نگوں کردہ ایشاں سر از بہر خور   تو آری بعزت خورش پیش سر
نزیبد ترا با چنیں سروری   کہ سر جز بطاعت فرود آوری
مثال ۳ شب از بہر آسایش تست و روز   مہ روشن و مہر گیتی فروز
صبا از براے تو فراش وار   ہمے گسترانند بساط بہار
اگر باد و برفست و باران و میغ   وگر رعد چوگاں زند برق تیغ
ہمہ کار داران فرماں برند   کہ تخم تو در خاک مے پرورند

وگر تشنہ مانی ز سختی مجوش | کہ سقاے ابر آبت آرد بدوش

ز خاک آورد رنگ و بوے و طعام | تماشا گہ دیدہ و مغز و کام

عسل دادت از نحل و منّ از ہوا | رطب دادت از نخل و نخل از نوا

ہمہ نخلبنداں بخایند دست | ز حیرت کہ نخلے چنیں کس نبست

خور و ماہ و پروین براے تو اند | قنادیل سقف سراے تو اند

ز خارت گل آورد و از نافہ مشک | زر از کان و برگ تر از چوب خشک

بدست خودت چشم و ابرو نگاشت | کہ محرم بہ اغیار نتواں گذاشت

توانا کہ آں نازنیں پرورد | بالوانِ نعمت چنیں پرورد

بجاں گفت باید نفس بر نفس | کہ شکرش نہ کارِ زبانست و بس

۸ - وہ اکثر قانون قدرت سے اشیا کے حُسن و قبح اور اصول اخلاق کے ثبوت پر استدلال کرتا ہے اور ایسا استدلال ہمیشہ دیگر اقسام استدلال کی نسبت زیادہ دلنشین اور عام فہم ہوتا ہے - کلام الٰہی میں بھی مبدا و معاد کے ثبوت پر زیادہ تر اسی قسم کا استدلال کیا گیا ہے -

مثال ۱ - پلیدی کند گربہ بر جاے پاک | چو زشتش نماید بپوشد بخاک

تو آزادی از ناپسندیدہ ہا | نترسی کہ بر وے فتد دیدہ ہا

بلّی کو جو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ وہ جہاں کہیں بول و براز کرتی ہے اسکو فوراً مٹی سے ڈھانک دیتی ہے - اس سے وہ اِس بات پر استدلال کرتا ہے کہ بُرے اعمال کو ہمیشہ لوگوں سے چھپانا چاہئے جو

ایسا نہیں کرتے وہ ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں رکھتے ۔

مثال ۲ ۔ حلمِ شتر چنانکہ معلوم ست اگر طفلے مہارش گیرد و صد فرسنگ ببرد گردن از متابعتِ او نہ پیچد ۔ امّا اگر راہے ہولناک پیش آید کہ موجبِ ہلاک باشد و طفل آنجا بنادانی خواہد رفتن زمام از کفش در گسلاند و بیش متابعت نہ کند کہ ہنگامِ درشتی ملاطفت مذموم است ۔ **قطعہ**

کسیکہ لطف کند باتو خاکِ پایش باش — وگر ستیزہ کند در دو چشمش افگن خاک
سخن بلطف و کرم با درشت خوے مگوے — کہ زنگ خوردہ نگردد بنرم سوہن پاک

یہاں اُسکو یہ سوجھانا منظور تھا کہ نرمی وہیں تک پسندیدہ ہے جہانتک دوسری طرف سے درشتی اور سختی اپنی مُضرت کا احتمال نہ ہو ورنہ مذموم ہے ۔ اِس مطلب پر وُہ یہ دلیل لایا ہے کہ اونٹ کو بھی قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہیں ہوتا ایک بچہ اُس کی نکیل پکڑ کر جہاں تک چاہتا ہے لے جاتا ہے مگر جہاں کچھ خوف ہوتا ہے وہاں اُس کی اطاعت نہیں کرتا اور رسّی توڑ کر بھاگ جاتا ہے ۔

مثال ۳ ۔ برہ بر یکے پیشم آمد جوان — بہ تگ در پیش گوسفندے دوان
بدو گفتم این ریسمانست و بند — کہ مے آرد اندر پیت گوسفند
سُبک طوق و زنجیر از و باز کرد — چپ و راست پوئیدن آغاز کرد
برہ در پیش ہمچنان میدوید — کہ جو خوردہ بود از کفِ مرد خوید
چو باز آمد از عیش و بازی بجاے — مرا دید و گفت اے خداوند راے

نہ ایں ریسماں می برد باخودش | کہ احساں کمندیست در گردنش
بہ لطفے کہ دیدست پیل دماں | نیارد ہمے حملہ بر پیلباں
بداں را نوازش کن اے نیکمرد | کہ سگ پاسدار و چوپاں تو خورد
براں مرد کند است دندان یوز | کہ مالد زباں بر پنیرش دو روز

یہاں اسکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جسقدر تم لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کروگے اُسیقدر لوگ تمہارے دوست اور خیرخواہ و جاں نثار ہونگے اسپر وُہ یہ دلیل لایا ہے کہ بکری - ہاتھی - کُتّا - چیتا اور اسی طرح تمام حیوانات کو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جو شخص اُن کی پرورش کرتا ہے اور اُنکو کھلاتا پلاتا ہے وہ اُسی کا دم بھرنے لگتے ہیں - یہاں تک کہ وحشیوں میں وحشت اور درندوں میں سبعیت باقی نہیں رہتی ؛

۹ - وُہ کبھی فقیہانہ اور واعظانہ نصیحتیں جو اکثر تلخ اور بے مزہ اور سامعین کے دلپرگراں ہوتی ہیں نہیں بلکہ اکثر آزادانہ اور محققانہ نصیحتیں کرتا ہے جو اگرچہ عام خیالات سے کسی قدر بلند ہوتی ہیں - لیکن حدِّ شرع سے ہرگز متجاوز نہیں ہوتیں اور اِس لئے اُن کو زاہد اور رند دونوں پسند کرتے ہیں ؛

مثال ۱- بسرہنگ سلطاں چنیں گفت زن | کہ خیز اے مبارک در رزق زن
برو تا ز خوانت نصیبے دہند | کہ فرزندگانت بسختی درند
بگفتا بود مطبخ امروز سرد | کہ سلطاں بشب نیت روزہ کرد
زن از ناامیدی سر انداخت پیش | ہمے گفت با خود دل از فاقہ ریش

کہ سلطاں ازاین روزہ گوئی چہ خواست ‏ ‏ کہ افطار او عید طفلانِ ماست
خورندہ کہ خیرش بر آید ز دست ‏ ‏ بہ از صائم الدہر دُنیا پرست
مُسلّم کسے را بود روزہ داشت ‏ ‏ کہ درماندہ را دہد نانِ چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری ‏ ‏ ز خود باز گیری و ہم خود خوری

مثال ۲ شنیدم کہ مردے براہِ حجاز ‏ ‏ بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز
چناں گرم رو در طریقِ خدائے ‏ ‏ کہ خارِ مغیلاں نہ کندے ز پائے
بہ آخر ز وسواسِ خاطر پریش ‏ ‏ پسند آمدش در نظر کارِ خویش
بہ تلبیس ابلیس در چاہ رفت ‏ ‏ کہ نتواں ازیں خوبتر راہ رفت
گرش رحمتِ حق نہ دریافتے ‏ ‏ غرورش سر از جادہ برتافتے
یکے ہاتف از غیب آواز داد ‏ ‏ کہ اے نیک بخت مبارک نہاد
مپندار گر طاعتے کردۂ ‏ ‏ کہ نُزلے دریں حضرت آوردۂ
بہ احسانے آسودہ کردن دلے ‏ ‏ بہ از الف رکعت بہر منزلے

۱۰۔ جب اُسکو کسی خاص فرقہ یا جماعت کے واقعی عیوب بیان کرنے ہوتے ہیں تو اُن کو ایسے عمدہ پیرایوں میں بیان کرتا ہے کہ کسی کو ناگوار نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً اُسکو یہ منظور تھا کہ اُمرا اور دولتمندوں کو اُن کے عیوب سے مطلع کرے تو اُسنے اِس مطلب کو صاف صاف نہیں لکھا بلکہ ایک فرضی مُناظرہ اور ایک اَور شخص کا جس میں اپنے تئیں امرا کا طرفدار اور اپنے حریف کو فقرا اور درویشوں کا حمایتی قرار دیا ہے لکھ کر تمام دل کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ طرف ثانی امیروں کی برائیاں اور درویشوں

کی خوبیاں بیان کرتا ہے اور شیخ اُس کی تقریر کو رد کرکے اُمرا کی خوبیاں اور درویشوں کی بُرائیاں ظاہر کرتا ہے۔ اِسی طرح اُسنے تمام سلاطین عہد اور وزرا اور اُمرا کی خاطر خواہ خبر لی ہے۔ چنانچہ گلستان کے ساتویں باب میں یہ مُناظرہ موجود ہے۔ یا مثلاً اُسکو مشائخ و زہاد کی قلعی کھولنی منظور تھی اس مضمون کو اُس نے کھُلم کھُلا ادا نہیں کیا بلکہ ایک قصّہ جو بوستان کے چوتھے باب میں مذکور ہے نقل کیا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایک شوخ چشم سائل کسی بُزرگ کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا۔ صاحبِ خانہ کے پاس اُسوقت کچھ نہ تھا اسلئے کچھ نہ دیا۔ سائل نے ڈیوڑھی سے ذرا پرے ہٹ کر اُسکی اور اُسکے ساتھ تمام فُقرا اور تمام مشائخ کی تفضیح اور توہین کرنی شروع کی اور خوب دل کے بخارات نکالے۔ جتنے واقعی عیب اکثر ان لوگوں میں ہوتے ہیں سب ظاہر کر دئے۔ جب شیخصاحب اُن کے بہتر سے کھول چکے تو سائل کے بیان کو اپنے اس مقولے پر ختم کرتے ہیں۔

"نخواہم دریں باب ازیں بیش گفت   کہ شنعت بود سیرتِ خویش گفت"

یعنی میں اس باب میں اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا ورنہ وہی مثل ہوگی "اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مرئے"، کیونکہ آپ بھی اُسی گروہ میں سے ہیں پھر اُس بُزرگ کی تواضع اور تحمّل اور حلم کا بیان کیا ہے کہ باوجود ایسی زبان درازیوں کے اُس نے کچھ بُرا نہ مانا اور اُس کے گمان سے زیادہ اپنے عیبوں کا اقرار کیا۔

۱۱- یہ بات عموماً دیکھی گئی ہے کہ جو واقعات اسلاف سے نقل کئے جاتے ہیں وُہ اتنے مؤثر نہیں ہوتے جتنا کہ اپنی سرگزشت اور روداد کا بیان مؤثر ہوتا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والا نہایت فصیح و بلیغ اور اپنے جذبات ادا کرنے پر قادر ہو کیونکہ جو روایت ایک واسطہ سے سُنی جاتی ہے اُس کا یقین بہ نسبت اُس روایت کے زیادہ ہوتا ہے جو متعدد واسطوں سے سُنی جائے - دوسرے ناقل اپنی سرگزشت کو بہ نسبت اخبار ماضیہ کے زیادہ پُرجوش الفاظ میں بیان کرسکتا ہے - گلستان اور بوستان میں چونکہ شیخ نے زیادہ تر اپنے ہی واقعات لکھے ہیں اور اُن سے نتائج استخراج کئے ہیں اسلئے اُن کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور ناظرین کو زیادہ پسند آتے ہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ شیخ جیسا جادو بیان اُن کو بیان کرتا ہے ایسی مثالوں سے دونوں کتابیں بھری ہوئی ہیں - یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

مثال ۱- بصنعا درم طفلے اندر گذشت — چہ گویم کز انم چہ بر سر گذشت
قضا نقش یوسف جمالے نہ کرد — کہ ماہی گورش چو یونس نخورد
دریں باغ سروے نیامد بلند — کہ باد اجل بیخش از بن نکند
عجب نیست بر خاک اگر گل شگفت — کہ چندیں گل اندام در خاک خفت
بدل گفتم اے ننگ مرداں بمیر — کہ کودک رود پاک و آلودہ پیر
ز سودا و آشفتگی بر قدش — بر انداختم سنگے از مرقدش
ز ہولم دراں جائے تاریک و تنگ — بشورید حال و بگردید رنگ

چو باز آمدم زاں تغیّر بہوش | ز فرزند دلبندم آمد بگوش
گرت وحشت آمد ز تاریک جاے | بہش باش و با روشنائی درآئے
شب گور خواہی منوّر چو روز | ازینجا چراغ عمل بر فروز
تن کارکن مے بلرزد ز تپ | مبادا کہ نخلش نیارد رطب
گروہے فراواں طمع ظن برند | کہ گندم نیفشاندہ خرمن برند
بر آں خورد سعدی کہ بیخے نشاند | کسے برُد خرمن کہ تخمے فشاند

۱۲ - جب اُسکو کسی نیک کام کی ترغیب دینی ہوتی ہے تو ایسے غریب اور اجنبی مباحث پیش نہیں کرتا جو لوگوں کے خیالات میں بہت کم گزرتے ہیں بلکہ ایسی معمولی باتیں یاد دلاتا ہے جو اُس کام کی نسبت ہمیشہ خاص و عام کے دل میں گزرتی ہیں اور اُن کی انکھوں کے سامنے پیش آتی رہتی ہیں - اور جب کسی امر پر اُسکو متنبہ کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے صریح اور صاف نتیجے سوجھاتا ہے جو دُنیا میں ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں - وُہ کوئی نئی بات نہیں سکھاتا بلکہ بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلاتا ہے یہی سبب ہے کہ اُس کے بیان کی طرف خود بخود لوگوں کے دل کھچتے ہیں اور اُس کے کلام میں ایسا مزہ آتا ہے جیسے کوئی مُدت کی کھائی ہوئی لذیذ چیز برسوں کے بعد سامنے آتی ہے اور نہایت رغبت اور شوق سے کھائی جاتی ہے -

مثال

اے پدر مُردہ را سایہ بر سر فگن | غبارش بیفشان و خارش بکن
چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش | مدہ بوسہ بر روے فرزند خویش

یتیم ار بگرید که نازش خرد؟ — وگر خشم گیرد که بارش برد؟
الا تا نگرید که عرش عظیم — بلرزد همی چون بگرید یتیم
برحمت بکن آبش از دیده پاک — بشفقت بیفشانش از چهره خاک
اگر سایهٔ او برفت از سرش — تو در سایهٔ خویشتن پرورش
من آنگه سر تاجور داشتم — که سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستی مگس — پریشان شدے خاطر چند کس
کنون گر بزندان برندم اسیر — نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلان خبر — که در طفلی از سر برفتم پدر

مثال ۲

پسر چون ز ده بگذشتش سنین — ز نامحرمان گو فراتر نشین
بر پنبه آتش نشاید فروخت — که تا چشم برهم زنی خانه سوخت
چو خواهی که نامت بماند بجای — پسر را خردمندی آموز و رای
که گر عقل و رایش نباشد بسے — بمیری و از تو نماند کسے
بسا روزگارا که سختی برد — پسر چون پدر نازکش پرورد
خردمند و پرهیزگارش برار — گرش دوست داری بنازش مدار
بخردی درش زجر و تعلیم کن — به نیک و بدش وعده و بیم کن
نو آموز را ذکر و تحسین و زه — ز توبیخ و تهدید استاد به
بیاموز پرورده را دست رنج — وگر دست داری چو قارون بگنج
مکن تکیه بر دستگاهے که هست — که باشد که نعمت نماند بدست
بپایان رسد کیسهٔ سیم و زر — نگردد تهی کیسهٔ پیشه ور

چه دانی که گردیدنِ روزگار — بغربت بگرداندش در دیار
جو بر پیشۂ باشدش دسترس — کجا دستِ حاجت برد پیش کس
ندانی که سعدی مکاں از چه یافت — نه ہاموں نوشت و نه دریا شگافت
بخُردی بخورد از بزرگاں قفا — خدا دادش اندر بزرگی صفا
ہر آں طفل کو جورِ آموزگار — نه بیند - جفا بیند از روزگار
پسر را نکو دار و راحت رساں — که چشمش نماند بدستِ کساں
ہر آنکس که فرزند را غم نه خورد — دگر کس غمش خورد و آواره کرد
نگہدار ز آمیزگارِ بدش — که بدبخت و بے رہ کند چوں خودش
پسر کو میانِ قلندر نشست — پدر گو ز خیرش فرو شوئے دست
دریغش مخور بر ہلاک و تلف — که پیش از پدر مُرده به نا خلف

یہ خصوصیتیں جو گلستان اور بوستان میں ہمنے بتائی ہیں زیادہ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں ایسی نکل سکتی ہیں جو ان کتابوں کی مزید شہرت اور قبولیت کا باعث ہوئی ہیں مگر ہم انہیں پر اقتصار کرکے اب شیخ کی غزلیات پر نظر ڈالتے ہیں ؎

غزلیاتِ شیخ

غزلیات کی ترتیب کا طریقہ جو فی زمانناً فارسی اور اُردو دیوانوں میں مروّج ہے اِس طریقہ پر غالباً سب سے اوّل شیخ ہی کا دیوان مُدوّن کیا گیا ہے کیونکہ شیخ سے پہلے کے بعض دیوان غزلیات مثل خاقانی وغیرہ اَب تک مجموعۂ قصائد کی طرح غیر مرتّب اور پراگندہ طور پر لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

علی بن احمد بے ستون جامعِ کلیاتِ شیخ نے اوّل ہر غزل کے مطلع کا حرف لیکر شیخ کے تمام دیوان بہ ترتیب حروف تہجّی جمع کئے تھے۔ آخر اِس ترتیب میں یہ قباحت نکلی کہ جس غزل کا مطلع معلوم نہو اُس کا دیوان میں ملنا دشوار تھا چنانچہ شیخ کی وفات کے بیالیس برس بعد اُسنے دوبارہ شیخ کے سب دیوان موجودہ طریقہ پر مُرتّب کئے اور پھر یہ ترتیب عموماً جاری ہوگئی۔

شیخ کی غزلیات کے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا چار دیوان ہیں جن میں سب سے بڑا دیوان موسوم بہ طیّبات ہے۔ باقی تین دیوان اِس سے چھوٹے ہیں اگرچہ اِن میں بعض دیوان ابتدائے عمر کے اور بعض سنِّ کہولت اور پیری کے زمانہ کے ہیں۔ مگر شیخ کا اندازِ بیان ابتدا ہی سے تغزّل میں ایسا صاف اور سلیس ہے کہ چاروں دیوانوں میں باعتبار صفائی

اور سلاست کے بہت کم تفاوت محسوس ہوتا ہے ۔ شاعر کے کلام میں ہمیشہ صفائی اور گھلاوٹ ایک مدت کی مشق و مہارت کے بعد آتی ہے ۔ عنفوانِ شباب کا کلام ویسا صاف اور شستہ نہیں ہوتا جیسا سن کہولت اور بڑھاپے کا ہوتا ہے مگر شیخ کا کلام اس سے مستثنیٰ ہے ۔ البتہ طیبات اور بدائع جو جوانی اور کہولت کے زمانہ کے دیوان ہیں ان میں اور دیوانوں کی نسبت خیالات کی نزاکت اور زورِ بیان زیادہ پایا جاتا ہے ۔

شیخ کے دیوان کو اکثر تذکرہ نویسوں نے نمکدانِ شعراء لکھا ہے اگرچہ اس سے پہلے انوری و خاقانی و ظہیر وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں اور قدماء کے قصائد میں بھی مثل متاخرین کے اکثر تشبیبوں میں تغزل یعنی عاشقانہ اشعار ہوتے تھے ۔ مگر اس وقت غزل میں یہ لذت نہ تھی جو شیخ نے اپنی جادوبیانی سے پیدا کی پہلے شاعری کا مدار زیادہ تر قصیدہ اور مثنوی پر تھا ۔ بعضے دوبیتی (یعنی رباعی) اور قطعہ کے سوا اور کچھ نہ کہتے تھے ۔

شیخ نے غزل کو ایسا رنگین اور بامزہ کر دیا کہ لوگ قصیدہ اور مثنوی کو چھوڑ کر غزل پر ٹوٹ پڑے ۔ غزل گویوں کے نام یا تو انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے یا لاکھوں سے متجاوز ہو گئے ۔ اسی واسطے بعض شعراء نے شیخ کو غزل کا پیمبر کہا ہے ۔ مگر کلام کی نمکینی اور شیرینی محض وجدانی کیفیتیں ہیں جو بدون ذوق سلیم کے ہرگز معلوم نہیں ہوسکتیں ۔ پس

صرف یہ کہدینا کہ اُسکا دیوان نمکدانِ شعرا ہے یا وہ غزل کا پیمبر ہے اُنہیں کے لئے کافی ہے جو شعر کا پورا پورا مذاق رکھتے ہیں اُن کے سوا اور لوگ جبتک کوئی صریح مابہ الامتیاز شیخ اور قدما کی غزل میں بیان نہ کیا جائے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ شیخ کی غزل کو کیا فوقیت ہے - لیکن وجدانیات میں فرق بتانا کچھ آسان کام نہیں ہے -

میں نے شیخ اور انوری وخاقانی وظہیر کی غزلیات کو صرف اِس غرض سے دیکھا کہ وُہ تفاوت جو شیخ اور قدما کی غزلیات میں ہے صاف صاف معلوم ہو - مجھکو چند باتیں شیخ کے دیوان میں ایسی ملی ہیں جو قدما کے کلام میں یا تو بالکل نہیں یا بہت کم پائی جاتی ہیں میرے نزدیک یہی وُہ خصوصیتیں ہیں جنہوں نے غزل کو نہایت بامزہ اور لطف انگیز اور مرغوبِ طبائع خاص وعام کردیا ہے -

۱- شیخ اکثر غزل کی بحر اور زمین ایسی اختیار کرتا ہے جو تغزّل اور تغنّی کے واسطے بہت مناسب ہوتی ہے - نظم میں سب سے بڑا کرشمہ جو کہ اکثر اُس کو نثر سے زیادہ دلفریب اور دلکش کردیتا ہے وزن اور قافیہ ہے - پس ظاہر ہے کہ شگفتہ زمین اور مضمون کے مناسب وزن اختیار کرنے سے نظم کی دلفریبی زیادہ ہوجائے گی - اِسی لئے شیخ کی غزلیات ابتدا سے وجد وسماع کی مجلسوں میں گائی جاتی تھیں - علی بن احمد جامع کُلّیاتِ شیخ جسنے شیخ سے ۴۲ برس بعد اسکا کلام جمع کیا اپنا مشاہدہ لکھتا ہے کہ ایک جگہ رات کو مجلسِ سماع منعقد تھی جس میں

شیخ کی یہ غزل گائی گئی تھی۔

نظرِ خدائے بیناں زسرِ ہوا نباشد　　سفرِ نیازمنداں ز رہِ خطا نباشد

مجلس کے خاص و عام جابجا بے ہوش اور خود فراموش پڑے تھے اور مجلس کے برخاست ہونے کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ مدّتِ عمر میں ایسا سماع نہیں دیکھا میں کہتا ہوں کہ ایکبار میں نے بھی ایک بزرگ کو جو سماع سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے شیخ کے ایک مطلع پر جو قوّال نے بے مزامیر کے اُن کے سامنے گایا تھا دیکھا کہ اُن کا تمام بدن کانپنے لگا تھا اور آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور یہ کیفیت اُنکی بہت دیر تک طاری رہی تھی۔ وہ مطلع یہ تھا۔

ایکہ آگاہ نۂ عالمِ درویشاں را　　تو چہ دانی کہ چہ سوداست ایشاں را

۲۔ شیخ کی غزل کو اُس جبلّی عشق و محبّت نے جو اُس کی بات بات سے ٹپکتی ہے اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا۔ عرب اور عجم کے تمام شعرا جو عاشق مزاج ہوئے ہیں اُن کی تشبیب اور تغزّل میں ایک خاص حالت پائی جاتی ہے۔ جو اوروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ شیخ ایک جگہ خود فرماتے ہیں "آنکہ ننشِیند ست ہرگز بوئے عشق۔ گو بشیراز آ و خاکِ ما بوے" یہی سبب ہے کہ وہ حُسن و عشق وصل و جدائی۔ یاس و امید۔ صبر و مجبوری۔ وعدہ و انتظار اور دیگر لوازم عشق کی جو کیفیتیں بیان کرتا ہے اُن میں بالکل تصنّع نہیں پایا جاتا اور وہ سب ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اُس عالم میں ہر شخص پر گزرتی ہیں۔ اِسی واسطے عشاق کے

دل پر ان کا زیادہ اثر ہوتا ہے ۔ ایسے اشعار سے شیخ کے چاروں دیوان بھرے پڑے ہیں ۔ مگر چند شعر بطور نمونہ کے یہاں لکھے جاتے ہیں ۔

مقدار یار ہمنفس چو من نداند ہیچ کس ۔ ماہی کہ در خشک اوفتد قیمت بداند آب را
اے کہ گفتی ہیچ مشکل چون فراق یار نیست ۔ گر امید وصل باشد آنچناں دشوار نیست
ہر کو ہمہ عمرش سودائے گلے بودہ ست ۔ داند کہ چرا بلبل دیوانہ ہمے باشد
دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست ۔ تا نداند رقیباں کہ تو منظور منی
دیگراں چوں بروند از نظر از دل بروند ۔ تو چناں در دل من رفتہ کہ جاں در بدنے
گفتہ بودم کہ رخت بر بندم ۔ تا رہ بصرہ گیرم و بغداد
دست از دامنم نمی دارد ۔ خاک شیراز و آب رکنا باد
ہزار جہد بکردم کہ سرِ عشق بپوشم ۔ نبود بر سر آتش میسرم کہ نجوشم
بزخم خوردہ حکایت کنم ز دستِ جراحت ۔ کہ تندرستاں ملامت کنند چو من بخروشم
نفحاتِ صبح دانی ز چہ روی دوست دارم ۔ کہ بروئے دوست ماند کہ برافگند نقابے
بروای گدائے مسکین درے دگر طلب کن ۔ کہ ہزار بار گفتی دنیا مدت جوابے
شربتے تلخ تر از دردِ فراقت باید ۔ تا کند لذتِ وصلِ تو فراموش مرا
بر عندلیبِ عاشق گر بشکنی قفس را ۔ از ذوقِ اندرونش پروائے در نباشد
برق یمانی بجست باد بہاری بخاست ۔ طاقتِ مجنوں نماند خیمۂ لیلی کجاست

۳ - اکثر وہ ایسے شعر کہتا ہے جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موقع ہے اور وہاں جو حالت اُسنے آنکھوں سے دیکھی ہے یا جو کیفیت اُس کے دل پر گزری ہے اُسکو بیان کر رہا ہے ۔ اِس قسم کے اشعار اکثر ایسے موقعوں پر

جہاں اُسی طرح کی کیفیت پیش آتی ہے نہایت مزا دیتے ہیں۔ مثلاً

اے روبہک چرا ننشستی بجاے خویش — با شیر پنجہ کردی و دیدی سزاے خویش
ساربان آہستہ راں کارام جاں در محمل ست — اشتراں را بار بر پشت ست و ما را بر دل ست
چہ روے ست اینکہ پیش کارواں ست — مگر شمعے بدستِ ساربان است
سلیمان ست گوئی در عماری — کہ بر بادِ صبا تختش رواں ست
ز روے کار من برقع برانداخت — بیکبار آنکہ در برقع نہاں ست
شتر پیشی گرفت از من برفتار — کہ برمن بیش ازاں بارِ گران ست
بدار اے سارباں محمل زمانے — کہ عہدِ وصل را آخر زماں ست

یار بار افتادہ را در کارواں بگذاشتند — بیوفا یاراں کہ بربستند بارِ خویش را
ہر کرا در خاکِ غربت پاے در گل ماند ماند — گو دگر در خوابِ خوش بیند دیارِ خویش را
پیوند روح میکند ایں بادِ مشک بیز — ہنگام نوبتِ سحرست اے ندیم خیز
شاہد بخواں و شمع بسوزاں و گل بنہ — عنبر بساے و عود بسوزاں و گل بریز
خادمہ سراے را گو در حجرہ بند کن — تا بہ سرِ حضورِ ما رہ نبرد موسوسی

۴ - وہ اکثر حالات و واردات کو جو اُس کے دل پر گذرتی ہیں تمثیلات میں بیان کرکے کلام کو نہایت بلیغ اور بلند کر دیتا ہے۔ اِس قسم کی تمثیلات حکیم سنائی اور مولانا روم کے کلام میں بھی بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

بگنج شائگاں اُفتادہ بُودم — ندانستم کہ در گنج اند ماراں
اے برادر ما بگرداب اندریم — وانکہ شنعت میزند بر ساحل ست

رُطَب شیرین و دست از نخل کوتاہ　　زلال اندر میان و تشنہ محروم

اُستاد کیمیا را بسیار زر بباید　　در خاک تیرہ کردن تا آنکہ زر بباشد

۵ - شیخ کی غزل میں باوجود کمال سادگی اور صفائی کے اکثر ایک نزاکت اور چوچلا پایا جاتا ہے جس سے قدما کی غزل مُعرّا معلوم ہوتی ہے وہ ایک سیدھی سی بات کو ہیر پھیر کر ایسے لطیف اور خوشنما پیرایہ میں ادا کر دیتا ہے جسکو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - وہ سنگریزوں کو ترتیب دیکر موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوشنما اور گراں بہا بنا دیتا ہے مثلاً

بود ہمیشہ پیش ازیں رسم تو بیگنہ کُشی　　از چہ مرا نمی کشی من چہ گناہ کردہ ام

خلق را بیدار باید بود ز آب چشم من　　وین عجب کان وقت میگریم کہ کس بیدار نیست

من ندانستم از اوّل کہ تو بے مہر و وفائی　　عہد نابستن ازاں بہ کہ ببندی و نپائی

دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم　　باید اوّل بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم　　چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم　　شراب با تو حلال است و آب بیتو حرام

اِس خاصیت میں شیخ کی غزل سے جو نسبت قدما کی غزل کو ہے اُسکا اندازہ شیخ کے چند اشعار کا مُقابلہ قدما کے اشعار کے ساتھ کرنے سے ہوسکتا ہے - چنانچہ اِس مقام پر دو دو شعر خاقانی اور انوری کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار شیخ کے دیوان سے نقل کئے جاتے ہیں +

سعدی	انوری
سرو را مانی ولیکن سرو را رفتار نیست	روی چون ماہِ آسمان داری
ماہ را مانی ولیکن ماہ را گفتار نیست	قدِ چون سروِ بوستان داری
ایضاً	**ایضاً**
قادری بر ہر چہ مے خواہی بجز آزار من	ہمہ با من جفا کند لیکن
زانکہ گر شمشیر بر فرقم زنی آزار نیست	بجفا ہیچ اندہ بیا زارم
ایضاً	**خاقانی**
ہمہ چشمیم تا بروں آئی	برُخت چہ چشم دارم کہ نظر دریغ داری
ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی	برہت چہ گوش دارم کہ خبر دریغ داری
ایضاً	**ایضاً**
ہر دم از شاخ زبانم میوۂ تر میرسد	شاد باش از حسن خود کز وصفِ تو سحرِ حلال
بوستانہا رستہ زاں تخمم کہ در دل کاشتی	طبعِ خاقانی بہ نظم آورد و دیوان تازہ کرد

۲- سب سے بڑی بات جو شیخ اور قدما کی غزل میں مابہ الامتیاز ہے اور جس کے سبب سے اُس کے دیوان کو نمکدانِ شعرا کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخ کی غزل کا مدار زیادہ تر مضامین مندرجۂ ذیل پر ہے تصوّف اور درویشی۔ عشقِ حقیقی کو عشقِ مجازی کے پیرایہ میں ادا کرنا اور شاہدِ مطلق کے شیون اور صفات کو زلف و خال و خط و لب و دندان وغیرہ سے تعبیر کرنا۔ کاملین اور عُرفا اور مشائخ پر رند۔ بادہ خوار۔ میفروش۔ پیر خرابات وغیرہ کے الفاظ اطلاق کرنے اور

اُن کے حالات اور واردات کو شراب و نغمہ و دف و چنگ وغیرہ کے لباس میں ظاہر کرنا۔ سلوک اور فقیری کے مدارج و مقامات یعنے صبر و رضا و تسلیم و توکل و قناعت وغیرہ کو نئے نئے عنوان اور اسلوب سے بیان کرنا۔ محتسب و زاہد و فقہا اور ایسے لوگوں پر جو مذہب کی رو سے محلِ ادب ہیں طعن و تعریض کرنی اور غیر متشرع اور آزاد لوگ جو از روئے مذہب قابلِ توہین و مذمت ہیں اُن کی خوبی ظاہر کرنی۔ دُنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کو طرح طرح سے جتانا۔ ناصحوں کی نصیحت سے نفرت اور رسوائی و بدنامی کی رغبت ظاہر کرنی۔ عقل و دانش کی جابجا توہین اور عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ قرار دیکر اُس کی تعریف کرنی۔ ساقی و مطرب کو بار بار پکارنا اور اُن سے شراب و نغمہ کا اسلئے طلبگار ہونا کہ دُنیا کے تعلقات سے انقطاع میسر آئے۔ بادِ صبا اور نسیم سحری اور بوئے گل کو اکثر مخاطب کرنا اور اُن کو قاصد و پیغامبر ٹھہرا کر اپنی آرزوئیں اور مرادیں اور حسرتیں اُن سے بیان کرنی وغیرہ وغیرہ یہ تمام عنوان ہر شخص کو مرغوب ہوتے ہیں۔ مثلاً عشق حقیقی کی واردات اور کیفیات عشق مجازی کے پیرایہ میں بیان کرنی اور زلف و خال و خط سے شاہدِ مطلق کی شیون اور صفات مراد لینی زیادہ دلکش اور موثر ہیں بہ نسبت اِس کے کہ کھلی سورتہ گائی جائے یعنی عشق حقیقی کو صاف صاف اِس طرح بیان کیا جائے جیسے اکثر ادنیٰ درجہ کے شاعر یا موزون طبع مولوی اور واعظ نظم میں توحید و مناجات

وغیرہ لکھا کرتے ہیں - حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں -

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اسی طرح واعظ - زاہد - شیخ - قاضی - صوفی - محتسب اور ایسے اشخاص کو جنکی مذہب میں تعظیم کی جاتی ہے - ریاکاری اور مکر اور سالوس وغیرہ کے بہانے سے لتاڑنا اور رنود و اوباش اور حسن پرست و بادہ خوار لوگوں کو اُن کی صاف باطنی - آزادی اور بے ریائی کی وجہ سے تعریف کرنی بہ نسبت اس کے کہ رندوں کو ملامت کی جائے اور متشرع لوگوں کی تعریف کی جائے زیادہ مزہ دار ہے اور زیادہ توجہ سے سُنا جاتا ہے -

اگرچہ ان میں سے بعض عنوان بجستہ جستہ قدما کی غزل میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن شیخ کے ہاں اوّل تو کثرت سے ہیں اور دوسرے اُس کے حُسنِ بیان نے اُن کو بہت بامزہ اور لطف انگیز کر دیا ہے - شیخ کے بعد اوّل حضرت امیر خسرو اور میر حسن دہلوی نے اس خصوصیت میں شیخ کا تتبع کیا ہے کیونکہ شیخ نے اپنے چاروں دیوان جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مُلتان میں خان شہید کے پاس جس کے ہاں امیر خسرو نوکر تھے اپنی زندگی ہی میں بھیجدیئے تھے - اُسوقت حضرت امیر کی عمر تیس برس سے بھی کچھ کم تھی اور شاعری میں ترقی کرنے کے لئے اُن کے آگے ایک وسیع میدان موجود تھا - وہ اگرچہ اور اصنافِ سخن میں جیساکہ مثنوی

نُہ سپہر میں لکھتے ہیں اپنے تئیں شیخ سے بہتر سمجھتے تھے مگر شیخ کی غزل کو
وُہ بھی مانتے تھے ۔ چُنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

"خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ مستے کہ در شیراز بود"

نیز جس طرح شیخ نے بچپن کے زمانہ کی غزلوں کا نام غزلیات قدیم اور
جوانی اور کہولت کی غزلیات کا نام طیّبات اور بدائع اور آخر عمُر کی
غزلیات کا نام خواتیم رکھا ہے اِسی طرح حضرت امیر نے بھی عمُر کے چار
زمانوں کے موافق چار دیوان مُرتّب کئے ہیں ۔ تحفۃ الصغر وسط الحیوٰۃ
غُرّۃ الکمال ۔ بقیہ نقیہ ۔ اِن قرینوں کے سوا حضرت امیر کی غزلیات
سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ وُہ سعدی کے تتبع سے خالی نہ تھے ۔ امیر
خسرو کے بعد خواجہ حافظ شیراز نے بھی غزل کی بُنیاد زیادہ تر
اُنہیں خیالات پر رکھی ہے جن کو سب سے اوّل شیخ نے چمکایا تھا
مگر اُن میں بعض مضامین کو خواجہ حافظ نے ایسی رونق دی ہے کہ
وُہ اُنہیں کا حصّہ ہو گئے ہیں جیسے تصوّف ۔ شراب ۔ اہلِ ظاہر پر

۱؎ نُہ سپہر کے اشعار یہ ہیں :-

کس نہ بیند سوے نظم دلگیر — کہ نہ گردد بدلے منزل گیر
چوں نماند بہ دلِ خلقے یاد — گرچہ شد زادہ ہماں داں کہ نزاد
تا بجائے کہ حدِ پارسیاں — اندریں عہد دو تن گشتہ عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام — ہر دو را در غزل آئیں تمام
لیک اگر سوے دگر یازی دست — شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

خردہ گیری - دنیا کی بے ثباتی - عقل و تدبیر کی توہین - عشق و جوانی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ - اب ہم کچھ غزلیں اور اشعار شیخ کے دیوان میں سے ایسی نقل کرتے ہیں جن میں مضامین مذکورہ بالا زیادہ تر باندھے گئے ہیں ؛

برخیز تا یکسو نہیم این دلق ازرق فام را　　بر باد قلاشی دہیم این شرک تقوی نام را
مے با جواناں خوردنم خاطر تمنا مے کند　　تا کودکاں درپے فتند این پیر درد آشام را
زین تنگنائے خلوتم خاطر بہ صحرا مے کشد　　کز بوستاں باد سحر خوش مے دہد پیغام را
غافل مباش ار عاقلی دریاب گر صاحبدلی　　باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را
جائیکہ سرو بوستاں با پائے چوبیں مے رود　　ما نیز در رقص آوریم آں سرو سیم اندام را

وقت طرب خوش یافتیم آں دلبر طناز را　　ساقی بیار آں جام مے مطرب بساز آں ساز را
امشب کہ بزم عارفاں از شمع رویت روشن است　　آہستہ تا نبود خبر رنداں شاہد باز را
روئے خوش و آواز خوش دارند ہر یک لذتے　　بنگر کہ لذت چوں بود محبوب خوش آواز را

جاں ندارد ہر کہ جانانیش نیست　　تنگ عیش ست آنکہ بستانیش نیست
گر دلے داری بہ دلدارے سپار　　ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست
ماجرائے عقل پرسیدم ز عشق　　گفت معزول ست و فرمانیش نیست
درد عشق از تندرستی خوشتر ست　　گرچہ بیش از صبر درمانیش نیست

چنان بموی تو آشفته‌ام ببوی تو مست / که نیستم خبر از هر چه در دو عالم هست
دگر بروی کسم دیده بر نمی‌باشد / خلیل من همه بت‌های آذری بشکست
غلام همت آنم که پای بند یکیست / بجانبی متعلق شد از هزار برست
نگاه من بتو و دیگران بتو مشغول / معاشران ز می و عارفان ز ساقی مست
برادران و عزیزان نصیحتم مکنید / که اختیار من از دست رفت و تیر از شست

خوشتر از دوران عشق ایام نیست / بامداد عاشقان را شام نیست
مطربان رفتند و صوفی در سماع / عشق را آغاز هست انجام نیست
از هزاران در یکی گیرد سماع / زانکه هر کس محرم پیغام نیست
هر کسی را نام معشوقی که هست / می‌برد معشوق ما را نام نیست
باد صبح و خاک شیراز آتشیست / هر که او در وی گرفت آرام نیست
سعدیا چون بت شکستی خود مباش / خود پرستی کمتر از اصنام نیست

دلی که عاشق و صابر بود مگر سنگست / ز عشق تا به صبوری هزار فرسنگست
برادران طریقت نصیحتم مکنید / که توبه در ره عشق آبگینه و سنگست
دگر به خفیه نمی‌بایدم شراب و سماع / که نیکنامی در دین عاشقان ننگست
چه تربیت شنوم یا چه مصلحت بینم / مرا که چشم بساقی و گوش بر چنگست
بخشم رفته ما را که می‌برد پیغام / بیا که ما سپر انداختیم گر جنگست
بیادگار کسی دامن نسیم صباح / گرفته‌ایم و چه حاصل که باد در چنگست

بکش چنانکه تو دانی که بی مشاهده ات   فراخنای جهان بر وجود ما تنگست
ملامت از دل سعدی فرو نشوید عشق   سیاهی از حبشی چون رود که خود رنگست

دوش بی روی تو آتش بسرم بر میشد   آبم از دیده همیرفت و زمین تر میشد
تا بافسوس بپایان نرود عمر عزیز   همه شب ذکر تو میرفت و مکرر میشد
چشم مجنون چو بخفتی همه لیلی دیدی   مدعی بود گرش خواب میسر میشد
یارب آن صبح کجا رفت که شبهای دگر   نفسی میزد و آفاق منور میشد
سعدیا عقد ثریا مگر امشب بگسیخت   ورنه هر شب بگریبان سحر بر میشد

منقلب درون جامهٔ ناز   چه خبر دارد از شبان دراز
جهد کردم که دل بکس ندهم   چون توان کرد با دو دیدهٔ باز
محتسب در قفای رندان ست   غافل از صوفیان شاهد باز

از تو با مصلحت خویشش نمی پردازم   همچو پروانه که میسوزم و در پروازم
گر تو خواهی که بجوئی دلم امروز بجوی   ورنه بسیار بجوئی و نیابی بازم
من خراباتی و دیوانه ام و عاشق و بس   بیشتر زین چه حکایت بکند غمازم
ماجرای دل دیوانه بگفتم بطبیب   که همه شب در چشم ست بفکرت بازم
گفت زین نوع شکایت که تو داری سعدی   درد عشق ست ندانم که چه درمان سازم

برخیز تا طریق تکلف رها کنیم | دکان معرفت بدو جو بهر بها کنیم
گر دیگر آن نگار قبا پوش بگذرد | ما نیز جامهای تصوف قبا کنیم

ساقیا مے ده که ما دُرد کش میخانه ایم | با خرابات آشنا و از خرد بیگانه ایم
خویشتن سوزیم و جان بر سر نهاده شمع وار | هر کجا در مجلسے شمعی ست ما پروانه ایم
اهل دانش را درین گفتار با ما کار نیست | عاقلان را کے زبان درد ما دیوانه ایم
خلق میگویند جاه و فضل در فرزانگیست | گو مباش اینها که ما رندان نا فرزانه ایم
عیب بینست ار بچشم گوهر بین ندارد بها | هر یک اندر بحر معنی گوهر یکدانه ایم

دو چشم مست میگونش ببرد آرام هشیاران | دو خواب آلوده بربودند عقل از دست بیداران
نصیحت گوی را از من بگو ای خواجه دم درکش | که سیل از سر گذشت آنرا که میترسانی از باران
چه بوئیست آنکه عقل از من ببرد و صبر و شکیبائی | ندانم باغ فردوس ست و یا بازار عطاران
تو با این مردم کوته نظر در چاه کنعانی | بمصر آ تا پدید آیند یوسف را خریداران

اے که ز دیده غایبی در دل ما نشسته | حسن تو جلوه مے کند وینهمه پرده بسته
خاطر عام برده خون خواص خورده | ما همه صید کرده خود را کمند جسته

صبح بر زند ز مشرق شمع فلک زبانه | اے ساقی صبوحی در ده مے شبانه
عقلم بدزد و لختی چند اختیار دانش | هوشم ببر زمانے تا کے غم زمانه

صوفی چگونه گردد گرد شراب صافی — گنجشک را نگنجد عنقا در آشیانه
آن کوزه بر کفم نه کآب حیات دارد — هم طعم نار دارد هم رنگ ناردانه
گر می سجان دهندت بستان که پیش دانا — ز آب حیات خوشتر خاک شرابخانه

هر روز بادی برد از بوستان گلی — مجروح میکند دل مسکین بلبلی
روئیست ماه پیکر و موئیست مشکبوی — هر لاله که میدمد از خاک و سنبلی
بالای خاک هیچ عمارت نکرده اند — کز وی بدیر و زود نباشد تحولی
مکروه طلعتیست جهان فریبناک — هر بامداد کرده بشوخی تجملی
دی بوستان و خرم و صحرا و لاله زار — وز بانگ مرغ در چمن افتاده غلغلی
و امروز خارهای مغیلان کشیده تیغ — گوئی که خود نبود درین بوستان گلی
دنیا پلی ست رهگذر دار آخرت — اهل تمیز خانه نگیرند بر پلی

آنکه آگاه نه عالم درویشان را — تو چه دانی که چه سوداست سر ایشان را
گنج آزادگی و کنج قناعت ملکیست — که به شمشیر میسر نشود سلطان را
طلب منصب فانی نکند صاحب عقل — عاقل آنست که اندیشه کند پایان را
جمع کردند و نهادند به حسرت رفتند — وین چه دارد که بحسرت نگذارد آن را
در ازل بود که پیمان محبت بستند — نشکند مرد اگرش سر برود پیمان را
عاشقی سوخته بی سر و سامان دیدم — گفتم ای یار مکن در سر فکرت جان را
نفسی سرد برآورد و ضعیف از سر زد — گفت بگذار من بی سر و بی سامان را

پند دلبسته تو در گوش من آید هیهات ... منکر پند و حدیثم چه کنم درمان را
سعدیا عمر عزیزست بغفلت مگذار ... وقت فرصت نشود فوت مگر نادان را

لاابالی چه کند دفتر دانائی را ... طاقت وعظ نباشد سر سودائی را
دیده را فایده آنست که دلبر بیند ... ورنه بیند چه بود فایده بینائی را
همه دانند که من سبزه خط دارم دوست ... نه چو دیگر حیوان سبزه صحرائی را
سعدیا نوبتی امشب دهل صبح نکوفت ... یا مگر صبح نباشد شب تنهائی را

شبی و شمعی و گوینده و زیبائی ... ندارم از همه عالم جز این تمنائی
فرشته رشک برد بر جمال مجلس من ... گر التفات کند چون تو مجلس آرائی
ضرورتست بلا دیدن و جفا بردن ... ز دست آنکه ندارد بحسن همتائی
قیامتست که در روزگار با خجلست ... به راستی که بلائیست آن نه بالائی
وگر چه بینی اگر رو ازو بگردانی ... که نیست خوشتر ازو در جهان تماشائی
وگر کنی نظر از دور کن که نزدیکست ... که سر ببازی اگر پیشتر نهی پائی

عالم که عارفان را گوید نظر بدوزند ... گر یار ما ببیند صاحب نظر نباشد
زیرا که پادشاهی چون نقطه نگیرد ... بنیاد حکم اوّل زیر و زبر نباشد
دیوانه را که گوئی هشیار باش و عاقل ... ترسم که از نصیحت دیوانه‌تر نباشد
ساقی بیار جامی مطرب بگوی چیزی ... لب بر دهان نئی نه تا نیشکر نباشد

ببوے زلف تو با باد عیش ہا داریم | اگرچہ عیب کنندم کہ باد پیمائیست
ترا ملامت سعدی حلال کے باشد | کہ بر کناری و او درمیانِ دریائیست

الغرض شیخ سے پہلے تغزّل کا میلان زیادہ تر عشق مجازی کی طرف تھا اور عشق مجازی کے متعلق بھی صرف وہ بیرونی اور ظاہری حالتیں بیان کی جاتی تھیں جو عام عشقبازوں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں۔ شیخ نے اپنی غزل میں ایسی باتیں کم لکھی ہیں بلکہ وہ اکثر عشق و محبت کے پوشیدہ اسرار و غوامض اور عمیق کیفیات اور اندرونی حالات بیان کرتا ہے جو وابستگی کے زمانہ میں ہر انسان پر گزرتے ہیں لیکن ہر شخص ان کو بیان نہیں کرسکتا بلکہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ مثلاً یہ بات عشقبازوں اور بوالہوسوں کے زبان زد ہوتی ہے کہ معشوق کی جدائی ایسی سخت چیز ہے جو کسی طرح اور کسی حالت میں برداشت نہیں کی جاسکتی لیکن یہ بات عام نظروں سے مخفی ہوتی ہے کہ وصل کی امید پر جدائی بسر کرنی ایسی مشکل نہیں ہے جیسی خیال کی جاتی ہے جیساکہ شیخ کہتا ہے:-

اے کہ گفتی ہیچ مشکل چون فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد آنچناں دشوار نیست

یا مثلاً جو لوگ کسی کے عشق میں مبتلا ہیں اور باوجود کمال اشتیاق کے

وصل سے بہرہ مند نہیں ہوتے وہ عموماً عشق و محبت کی قید سے آزاد ہونے کی آرزوئیں کیا کرتے ہیں اور اُس موقع کو یاد کرکے پچھتاتے ہیں جبکہ وابستگی کے سامان اُنہوں نے خود مُہیا کئے تھے اور بار بار صورت دیکھنے یا باتیں سُننے یا ربط بڑھانے سے ایک مُردہ چنگاری کو زیادہ فروختہ کیا تھا لیکن اُنکو یہ شعور بہت کم ہوتا ہے کہ اِس جلن اور سوزش میں کسقدر لذّت چھپی ہوئی ہے اور یہ کہ اگر بالفرض ترکِ عشق و محبّت پر اُنکو اختیار دیا جاوے تو وُہ ہرگز اِس دلبند قید سے چھوٹنا گوارا نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے۔

برفشاند بے عاشق گر بشکنی قفس را ۔ از ذوق اندرونش پروائے در نباشد

یا مثلاً عشّاق کا عام خیال یہ ہے کہ معشوق کے دیکھنے سے کبھی جی سیر نہیں ہوتا اور جبتک وُہ سامنے رہتا ہے عاشق اُس کے دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتا مگر یہ بات بہت کم خیال میں گزرتی ہے کہ عُشّاق کو بسا اوقات ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں کہ باوجود کمال اشتیاق کے معشوق کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے جیسا کہ شیخ کہتا ہے۔

دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست ۔ تا ندانند رقیباں کہ تو منظورِ منی

یا مثلاً عُشّاق کا عام خیال یہ ہے کہ دوست سے جب مُدّت کے بعد ملاقات ہوتی ہے تو وُہ شکوہ و شکایت اور جدائی کی مصیبتیں بیان کرنیکا موقع ہوتا ہے مگر اِس واقعی کیفیت سے بےخبر ہوتے ہیں کہ جب دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو اُس کے ملنے کی خوشی میں اکثر تمام شکوے اور

جدائی کے صدمے یکقلم فراموش ہو جاتے ہیں چنانچہ شیخ نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے؛

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم ❊ چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

غرضکہ ایسے گہرے خیالات سے قدما کی غزل بالکل معرا تھی۔ اوّل شیخ ہی نے ان مضامین کی بنیاد ڈالی ہے۔ تصوّف و درویشی وغیرہ کی مضامین نے غزل میں اور بھی زیادہ لذّت اور نمک اور زور بھر دیا جن اصول پر شیخ نے غزل کی بنیاد رکھی تھی اُس کے بعد اکثر متغزّلین نے وہی اصول اختیار کئے کیونکہ اُن کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران اور ترکستان اور ہندوستان میں ایک آگ سی لگ گئی۔ ہر موزون طبع نے غزل کہنی اختیار کی اور غزل گویوں کی تعداد حساب اور شمار سے زیادہ بڑھ گئی۔ از انجملہ بعض اکابر کی غزل نے شیخ سے بھی زیادہ شہرت اور رواج پایا۔ علی الخصوص خواجہ حافظ شیراز کی غزل نے اپنا وہ سکّہ جمایا کہ مذکورہ بالا مُلکوں میں جو لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی سے باخبر تھے یا راگ راگنی سے آشنا تھے یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے یا عاشق مزاج اور عیش دوست تھے سب جان و دل سے اُس پر قربان ہو گئے۔ رقص و سرود کی محفلوں میں۔ حال و قال کی مجلسوں میں۔ قہوہ خانوں اور شراب خانوں میں۔ شعرا کی صحبتوں میں۔ مشائخ کے حلقوں میں در و دیوار سے لسان الغیب ہی کی آواز آنے لگی؛

اس میں کچھ شک نہیں کہ شیخ کی غزل نے فارسی شاعری میں ایک خاص قسم کی وسعت پیدا کی جس کے سبب سے قدرتی جذبات کا ایک طویل الذیل باب یعنی عشق و محبت وغیرہ کے مضامین نہایت آب و رنگ کے ساتھ بیان کئے گئے ۔ مگر اس میں بھی کچھ شبہہ نہیں کہ اس بادہ ہوش ربا یعنی غزل سے سوسائٹی کے اخلاق ۔ خیالات ۔ اور معاشرت پر کچھ اچھے بُرے مترتب نہ ہوے ۔ شعر کو خواہ وہ عاشقانہ ہو اور خواہ اخلاقی ایک پوشیدہ تعلق اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور جو اشعار کسی قوم میں زیادہ شائع ہو جاتے ہیں اور مجالس و محافل میں ہمیشہ پڑھے اور گائے جاتے ہیں وہ اندر ہی اندر تمام جماعت پر اپنا اثر اس طرح کرتے ہیں کہ جماعت کو اصلا شعور نہیں ہوتا اور جسقدر شعر میں نمک اور حسن زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی تاثیر جلد اور پایدار ہوتی ہے شیخ سعدی ۔ خواجہ حافظ ۔ امیر خسرو ۔ میر حسن سنجری ۔ مولانا جامی وغیرہم کی غزلیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ممالک اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ میں عموماً پڑھی اور گائی جاتی ہیں ۔ اگرچہ ان بزرگواروں کا کلام زیادہ تر حقائق اور معارف اور سلوک اور تصوف پر مبنی ہے ۔ لیکن اُسمیں مجاز و حقیقت کے دونو پہلو موجود ہیں ۔ جس طرح اُس سے ایک صوفی خدا پرست روحانی کیفیت اُٹھاتا ہے اسی طرح ایک بوالہوس صورت پرست کے نفسانی جذبات اُسکے سُننے اور پڑھنے سے برانگیختہ ہوتے ہیں ۔ سب سے زیادہ خواجہ حافظ کی غزل مجالس و محافل میں گائی جاتی ہے اور اُس کے

مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں ۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں
کی ترغیب دیتی ہے ۔ عشق حقیقی کے ساتھ ہی عشق مجازی اور صورت پرستی
و کام جوئی کو بھی وہ دین دُنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل بتاتی
ہے ۔ مال و دولت ۔ علم و ہنر ۔ نماز و روزہ ۔ حج و زکوٰۃ ۔ زہد و تقویٰ
غرضکہ کسی شے کو نظربازی و شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھہراتی ۔ وہ عقل و
تدبیر ۔ مآل اندیشی ۔ تمکین و وقار ۔ ننگ و ناموس ۔ جاہ و منصب وغیرہ
کی ہمیشہ مذمت کرتی ہے ۔ اور آوارگی ۔ رسوائی ۔ بدنامی ۔ بدمستی ۔
بے سروسامانی وغیرہ کو جو کہ عشق کی بدولت حاصل ہو تمام حالتوں
سے بہتر ظاہر کرتی ہے ۔ دولت دُنیا پر لات مارنا ۔ عقل و تدبیر سے
کبھی کام نہ لینا توکل اور قناعت کے نشہ میں اپنی ہستی کو مٹانا اور
جوہر انسانیت کو خاک میں ملا دینا ۔ دُنیا و مافیہا کے زوال و فنا کا ہر وقت
تصور باندھے رکھنا ۔ علم و حکمت کو لغو و پوچ اور حجاب اکبر جاننا ۔ حقائق
اشیاء میں کبھی غور و فکر نہ کرنا ۔ کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن
رہنا ۔ جو کچھ ہاتھ لگے اُسکو فوراً رائیگاں کھو دینا اور اسی طرح کی اور بہت
سی باتیں اُس سے مستفاد ہوتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مضامین ایسے
ہیں جو ہمیشہ بے فکروں اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے ہیں ۔
اور کلام کا سادہ اور عام فہم ہونا اور شاعر کی فصاحت و بلاغت
اور مُطرب و رقاصہ کی خوش آوازی اور حُسن و جمال اور مزامیر کی
لَے انکو لے اڑتی ہے اور اُن کی تاثیر کو دس بیس گنا کر دیتی ہے ۔

اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ اِس کلام کے قائل اکابرِ صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں جن کی تمام عُمر حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گزری ہے اور جن کا شعر شریعت کا لبّ لباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین اور بھی زیادہ دلنشین ہوتے ہیں۔ پس ممکن نہیں کہ شیخ اور اُس کے متّبعین کی غزل نے سوسایٹی کو اپنے جادو سے اچھوتا چھوڑا ہو۔ اور جب ہم مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کو اکثر اُن صفات سے موصوف پاتے ہیں۔ جنکی اِس مجموعۂ غزلیات سے ترغیب ہوتی ہے۔ عشق بازی۔ حُسن پرستی اُن کے ساتھ اِس قدر مخصُوص ہے کہ نہ صرف دولت مند بلکہ اکثر فاقہ مست بھی اِس کا چسکا رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف نوجوان بلکہ مُعمّر لوگ بھی اُس کا دم بھرتے ہیں۔ فضول خرچی۔ ناعاقبت اندیشی۔ عقل و تدبیر سے کچھ کام نہ لینا۔ توکّل اور قناعت کے دھوکے میں معاش کی کچھ فکر نہ کرنی۔ غیر قوموں کی ترقی کا ذکر سنکر دُنیا و ما فیہا کو ہیچ و پوچ بتانا۔ عقل انسانی کو حقائق اشیاء کے ادراک سے عاجز جاننا اور موجودہ علمی ترقیات کو سراسر ایک دھوکا سمجھنا وغیرہ وغیرہ ہماری قوم کی عام خاصیتیں ہیں جو ہمارے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں کم و بیش پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات کہنی مشکل ہے کہ ہم لوگوں میں یہ خاصیتیں اسی شعر و غزل کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔ شاید اِس کے

اصلی اسباب کچھ اور ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ عاشقانہ اور متصوفانہ اشعار نے اس حالت کی ترقی دینے میں بہت کچھ مدد پہنچائی ہے۔

سٹیون صاحب نے جو کلکتہ ریویو مورخہ ہون ۱۸۵۶ء میں خواجہ حافظ کا حال لکھا ہے ۔ اُس میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جسکا نقل کرنا اس مقام پر شاید بے موقع نہو گا ۔ وُہ لکھتے ہیں کہ "سعدی جو کہ حافظ کا چچا ہے ایک روز وُہ اور حافظ کسی جگہ بیٹھے تھے اور سعدی غزل لکھ رہا تھا جسکا پہلا مصرعہ حافظ کی بھی نظر پڑ گیا ۔ اتفاقاً اُسیوقت سعدی کسی کام کے لئے وہاں سے اُٹھ گیا اور اپنی غزل کا کاغذ ساتھ لے گیا ۔ حافظ نے اُس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کر اور پوری بیت ایک پرچہ پر لکھکر وہاں چھوڑ دی ... اور آپ چلدیا ۔ شیخ نے پھر وہاں آکر حافظ کو نہ پایا مگر وُہ شعر لکھا ہوا دیکھا جس میں سعدی پر کچھ چوٹ کی تھی ۔ سعدی ابیات سے ناخوش ہوا اور حافظ کو بُلا کر پوچھا کہ یہ شعر تو نے لکھا ہے ؟ اُسنے کہا ہاں ۔ شیخ نے اُس سے ساری غزل پوری کرائی اور جب وُہ غزل سُنی تو اُسکو بد دُعا دی کہ جو شخص تیری غزل پڑھیگا وُہ عقل سے بیگانہ رہے گا " اس کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ قسطنطینہ کے اکثر شیعی مُسلمان اِس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بیشک سعدی کی بد دعا حافظ کے حق میں مستجاب ہوئی کیونکہ اُسکے ہر ایک شعر میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے ۔ اس کے بعد وہ لکھتے

ہیں کہ " یہ حکایت صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حافظ کی غزل سے دیوانگی اور وحشت پیدا ہوتی ہے " میں کہتا ہوں کہ یہ خیال تو شاید غلط ہو مگر یہ حکایت قطعی غلط ہے کیونکہ شیخ اور خواجہ کی وفات میں پورا ایک صدی کا آگا پیچھا ہے ۔ قسطنطنیہ کے شیعوں کا خیال میرے نزدیک اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خواجہ حافظ کی غزل کی ممارست او رمزاولت سے بیشک ابرار و احرار کے دلوں میں دُنیا کی بے ثباتی اور توکّل و استغنا و قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے ۔ اور اوباش و الواط کو بیفکری ۔ ناعاقبت اندیشی ۔ عشقبازی ۔ بدنامی و رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے ۔ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ برانداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری ۔ ہر زمانہ کا جُدا جُدا اقتضا ہوتا ہے ۔ جب دولتمند اور ذی اقتدار گروہ دُنیا طلبی اور حُب جاہ میں سراسر منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جسمانی خوشیوں میں محو ہو کر روحانی مسرتوں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور عقل و شریعت کے احکام معطّل ہونے کے قریب جا پہنچتے ہیں اُس وقت البتہ یہ امید ہو سکتی ہے کہ ایسی ترغیبوں سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو ۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ تمام قوم کم ہمت اور پست حوصلہ ہو گئی ہو اور اولوالعزمی کا تخم اُن کی طبیعت میں جل گیا ہو اور جبکہ تمام دُنیا کی قومیں ترقی کی طرف متوجہ ہوں اُس وقت دُنیا سے اُن کا دل سرد کرنا اور قناعت اور توکّل کا اُن کو سبق پڑھانا بالکل

ایسا ہی ہے جیسے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں بجائے تیل ڈالنے کے زور سے پھونک مار کر اُسکو گل کر دینا۔ پس ممکن ہے کہ شیخ اور اُس کے متبعین کی غزل نے اُس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کے دماغ میں نشۂ جاہ دنیوی عروج پر تھا کچھ مفید نتائج پیدا کئے ہوں لیکن اس زمانہ میں میرے نزدیک اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شیخ اور حافظ کی غزل پر کچھ اعتراض کرنا مقصود ہے بلکہ اس سے اُن کی کمال سحربیانی اور سیف زبانی ثابت ہوتی ہے۔ شاعر کا کمال یہی ہے کہ جو کچھ وہ کہے اُس سے لوگ متاثر ہوں۔ نہ یہ کہ اُس سے کبھی مضر نتائج پیدا نہ ہونے پائیں۔ بارود نے باوجودیکہ بنی آدم کی ہزاروں جانیں تلف کی ہیں اور شراب نے بے شمار آدمیوں کو اخلاقی اور جسمانی [illegible]یں پہنچائی ہیں باایںہمہ اُن کے موجدوں کی دانشمندی کا تمام دنیا اعتراف کرتی ہے اور کریگی۔

قصائد وغیرہ

اس مجموعہ میں شیخ کے مدحیہ قصیدے۔ مرثیئے۔ ترجیع بند۔ ملمع اور مثلث جمع کئے گئے ہیں۔ یہ مجموعہ غزلیات کی نسبت بہت تھوڑا ہے۔

شیخ نے قصیدہ میں کچھ زیادہ نام اور شہرت حاصل نہیں کی۔ یا تو اُس کی طبیعت ہی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی کی گوں نہ تھی اور یا اُس نے مدح و ستائش کے طریقہ مروجہ کو مکروہ سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ مگر چونکہ اُس زمانہ کے دستور کے موافق ایک ایسے نامور شاعر کو جیسا کہ شیخ تھا کچھ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا اسلئے اُسنے کسیقدر قصائد لکھے ہیں جو کہ پہلے قصیدہ گویوں کی طرز سے بالکل مغائر ہیں۔

شیخ سے پہلے جو حالت قصیدہ گوئی اور مداحی کی مسلمانوں میں تھی اُسکی تفصیل کرنیکا یہاں محل نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ منصور بن مہدی عباسی خلیفہ بغداد کے زمانہ سے شعرا کو نہایت گراں بہا صلے اور انعام ملنے لگے تھے۔ ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ درہم شاعروں کو مل جاتے تھے خلفا اور امرا کو اپنی تعریفیں سُننے کا ایسا شوق ہو گیا تھا کہ اُن کا مداح کسی اور شخص کی مدح میں زیادہ مبالغہ کرتا تھا تو اُنکو سخت ناگوار ہوتا تھا اور اگر تشبیب میں زیادہ شعر لکھ لاتا تو شکایت کرتے تھے کہ یہ لوگ طبیعت کا سارا زور تو خال و خط کی تعریف میں خرچ کر دیتے ہیں صرف کچھ بچے کھچے خیالات ہمارے سر مارتے ہیں۔ ہزاروں علما و فضلا نے قصیدہ گوئی اور مداحی کو اپنا پیشہ ٹھیرا لیا تھا اور شاعری میں شہرت ہوجانے کے بعد کسیطرح اسبات سے چارہ نہ تھا کہ ذی اقتدار لوگوں کی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کرے۔ شعرا تمام ممالک اسلامیہ میں اسی امید پر سفر کرتے تھے اور قصیدہ گوئی کی بدولت اطراف و جوانب سے

مال و دولت جمع کرکے لاتے تھے۔ عباسیوں کے علاوہ فاطمی۔ دیلمی۔ کردی۔ طاہری۔ صفاری۔ سامانی۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ خوارزم شاہی۔ وغیرہ تمام سلسلوں میں مداحوں کی نہایت قدر کی جاتی تھی۔ ایران میں بھی سامانیوں کے عہد سے پہلے تو عربی قصائد ہی کا زور شور رہا مگر سامانیوں کے زمانہ میں ایران کی شاعری کا مدار زیادہ تر فارسی زبان پر آ ٹھہرا۔ فارسی قصیدہ نے بھی خوب رواج پایا۔ ظہیر۔ رشید۔ خاقانی اور انوری وغیرہم نے فارسی قصیدہ میں وہی شہرت حاصل کی جو عربی میں متنبّی۔ ابوتمام۔ بحتری اور ذوالرمہ نے حاصل کی تھی۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ سعدی جیسے مشہور شاعر کو سلاطین و امراے عہد کی تعریف میں قصیدہ لکھنا ایسا ہی ضروری تھا جیسے درباریوں کو جشن اور تہوار میں نذر دکھانا مگر قصیدہ کی حالت اُسوقت ایسی بُری تھی کہ شیخ کو اپنی جبلّی استقامت اور سنجیدگی کے سبب اُس روش پر چلنا دشوار تھا۔ ممدوح کی ستایش میں سراسر عقل و عادت کے خلاف مُبالغے کئے جاتے تھے۔ الفاظ کی سادگی اور بے تکلفی قصائد میں مذموم سمجھی جاتی تھی۔ مسایل علمیہ اور مقدمات حکمیہ اور سلوک و تصوّف کے دقائق اور علوم مختلفہ کی اصطلاحیں اظہار علم و فضل کے لئے اُن میں بالقصد داخل کیجاتی تھیں۔ صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و ترصیع وغیرہ کو اُن کا زیور

سمجھتے تھے۔ شیخ کی آزادی اور حق گوئی خصوصاً سادہ بیانی جو اُس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی اِن تکلفاتِ لایعنی سے مانع تھی اُسکے کلام سے جا بجا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وُہ مُبالغہ اور خوشامد کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔ ظہیر فاریابی نے قزل ارسلاں کی مدح میں ایک جگہ یہ شعر لکھا ہے۔

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیرِ پائے ۔۔۔ تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلاں دہد

شیخ بوستان میں جہاں اتابک ابوبکر سعد کی تعریف لکھتا ہے وہاں ظہیرؔ کے اس شعر پر اس طرح تعریض کرتا ہے۔

براہِ تکلف مرو سعدیا ۔۔۔ اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو ۔۔۔ تو حق گو و خسرو حقائق شنو
چہ حاجت کہ نُہ کُرسیِ آسماں ۔۔۔ نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے عزت بر افلاک نہ ۔۔۔ بگو روئے اخلاص بر خاک نہ

اِسکے سوا اور اکثر جگہ اُسنے مدّاح پیشگی سے نفرت اور اعراض ظاہر کیا ہے۔ اُس کے ایک قطعہ کا یہ مضمون ہے کہ "لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے سعدی تو کیوں سختیاں اُٹھاتا ہے اور کیوں اپنے کمالِ شاعری سے متمتع نہیں ہوتا؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جائے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دروازہ پر اپنا مطلب دریوزہ گروں کی طرح لے جاؤں۔ اگر ایک جَو بھر ہنر کے عوض میں کوئی مجھ کو سو خزانے بخشدے تو وہ مستحقِ شکر

ہے اور ہیں قابل نفرین ''

شیخ کو قطع نظر اسکے کہ مبالغہ اور خوشامد سے نفرت تھی کوئی ضرورت بھی ایسی داعی نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کرکے اگلی بھیڑوں کے پیچھے قدم بقدم چلنے پر مجبور ہو جاتا اور قصیدہ گوئی کا جو اسوقت کمال سمجھا جاتا تھا اُسکے حاصل کرنے میں مقتضاے طبیعت کے خلاف کوشش کرتا - وہ سلطانی خدمات سے ہمیشہ متنفر رہتا تھا اور اپنے دوستوں کو اس سے باز رکھنے میں کوشش کرتا تھا - پس اُسکو اس بات کی کچھ پروا نہ تھی کہ قصیدہ کو مقبول خاص و عام بنائے اور اس ذریعہ سے دربار میں تقرب حاصل کرے - جتنے نامی قصیدہ گو ایران میں گزرے ہیں سب بادشاہوں کے ہاں اس خدمت پر مامور رہے ہیں کہ خوشی کی تقریبوں میں طوفان کے تودے بنا کر لائیں اور اُن میں جسقدر زیادہ مبالغہ اور جھوٹ کو کام فرمائیں اُسیقدر گراں بہا صلے اور انعام پائیں - چنانچہ ظہیر قزل ارسلان کے ہاں - انوری سلطان سنجر کے ہاں - رشید وطواط خوارزم شاہ آتسز کے ہاں اور خاقانی شروانشاہ کے ہاں ملک الشعرا تھے - اِن لوگوں کی تمام طاقت اور لیاقت قصیدہ گوئی میں صرف ہوتی تھی اور اُن کی ترقی اور تقرب کا مدار صرف اُن باتوں پر تھا جو اُس زمانہ میں قصیدہ گوئی کے لئے ضروری تھیں یہی سبب ہے کہ قصیدہ کے سوا کوئی بڑی یادگار اُنہوں نے نہیں چھوڑی ۔

پس اگرچہ شیخ جیسے مشہور اور نامور شاعر کو اُس زمانے کے دستور

کے موافق کچھ نہ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا لیکن اُس کو ویسے جھوٹے اور نمائشی طلسم باندھنے کچھ ضرور نہ تھے جیسے کہ انوری اور ظہیر وغیرہ نے باندھے ہیں۔ اسی لئے غلطی سے یہ خیال کیا گیا ہے کہ شیخ کو قصیدہ لکھنا نہ آتا تھا۔ میں ہرگز اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ اُسکو معمولی [illegible] وپاک کے ساتھ قصیدہ لکھنے پر قدرت نہ تھی بلکہ میرے نزدیک جس طرح رُولر ٹیڑھا خط کھینچنے سے مانع ہوتا ہے اسی طرح طبیعت کی استقامت کبھی بے راہ نہیں چلنے دیتی۔ اس میں شک نہیں کہ فارسی میں جسقدر قصیدہ حدِ شاعری سے متجاوز ہوگیا ہے ایسی اور کوئی صنف نہیں ہوئی۔ مدحیہ قصائد سے ہمیشہ یہ مقصود ہونا چاہئے کہ ممدوح کی صفات کو سُنکر خاص و عام کے دل میں اسکی محبت اور اُسکے ساتھ حسنِ ظن پیدا ہو اور خود ممدوح پر یہ اثر ہونا چاہئے کہ اگر وُہ صفتیں اُسمیں موجود ہوں تو اُن میں اور زیادہ ترقی کرے یا کم سے کم اُن کو اُسی حال پر قایم رکھے اور اگر نہوں تو اُن کے حاصل کرنیں کوشش کرے۔ یہ مطلب جیسا کہ ظاہر ہے جب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ جو صفات مدح میں ذکر کی جائیں وُہ ممدوح کی ذات میں یا تو فی الواقع موجود ہوں یا اُن کے موجود ہونے کا احتمال ہو۔ ورنہ ممدوح کے دل میں اُس مدح کی وقعت ایک ہجو ملیح سے زیادہ نہ ہوگی۔ مثلاً ظہیر فاریابی نے جو قزل ارسلان کی مدح میں یہ لکھا ہے کہ "تصوّر جب ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی کو طے کرلیتا ہے تب جاکر قزل ارسلان

کی رکاب پر بوسہ دیتا ہے ۔ اِس سے قزل ارسلان کے دل پر سوا اِسکے
کہ اُسکو ایک ہجو بلیغ سمجھا ہو اور کیا اثر ہوا ہو گا ۔ یا مثلاً انوری جو
مجد الدین ابو الحسن کے شان میں لکھتا ہے کہ "اگر وہ زمانہ گذشتہ کو رجعت
کا حکم دے تو پھر کر زمانہ آیندہ کی جگہ آجاے" اِس سے ابو الحسن کے
دل میں سوا اِس کے کہ مداح مجھکو بناتا ہے یا میرا خاکا اُڑاتا ہے اور کیا
خیال گذرا ہوگا ۔ یہی حال اُن تمام قصیدہ گویوں کی مدح کا ہے جن کو
ایران اور ہندوستان وغیرہ میں سب نے تسلیم کیا ہے ۔ شیخ نے
نہ عدم قدرت کے سبب بلکہ فرط کراہت کے سبب مدح و ستایش کے
اِس ناپسندیدہ طریقہ کو اختیار نہیں کیا ۔ اُسنے قصائد بھی اُسی اپنی شیرین
زبانی اور سادہ بیانی و بے تکلفی کے ساتھ جو کہ اُسکے کلام کی عام خاصیت
ہے لکھے ہیں ۔ اُسکے قصائد سے کمال آزادی اور حق گوئی ثابت ہوتی
ہے ۔ اُس نے اکثر قصیدے اور ترجیع بند وغیرہ محض محبت اور خلوص
اور دلی جوش سے لکھے ہیں نہ خوشامد کی راہ سے اور نہ صلہ و انعام کی
امید پر ۔ باقی جسقدر قصیدے بضرورت سلاطین عہد اور حکام وقت
کی شان میں لکھے ہیں اُن کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ
اُسنے اہل دنیا کی تنبیہ اور نصیحت و پند کے لئے قصیدہ کو اُن سے
خطاب کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا تھا ۔ کیونکہ وہ بالکل مواعظ و نصائح
سے بھرے ہوئے ہیں ۔ بعض قصیدوں میں پند و اندرز کے سوا
مدحیہ اشعار دو چار سے زیادہ نہیں ۔ یہ وہ قصیدے ہیں جو اُسنے

اپنے دوست اور معتقد امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ نامزد کئے ہیں۔ ان کے سوا اور قصیدوں میں اوّل مدح و ستایش کی چاٹ دیکر پھر نصیحت کرنی شروع کی ہے۔

شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ اور اُسکی علت غائی جو اُسنے قرار دی تھی ذیل کے اشعار سے معلوم ہوسکتی ہے۔

اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جو فارس کا بادشاہ تھا اور شیخ اُسکی رعایا میں سے تھا اُسکی طرف خطاب کرکے کہتا ہے۔

بنوبت اند ملوک اندرین سپنج سرای ۔۔۔ کنون که نوبت تست ای ملک بعدل گرای
چه پایه بر سر این ملک سروران بودند ۔۔۔ چو دور عمر بسر شد در آمدند از پای
نیاز باید و طاعت نه شوکت و ناموس ۔۔۔ بلند بانگ چه سود و میان تهی چو درای
بتیغ و نیزه گرفتند جنگجویان ملک ۔۔۔ تو بر دو بحر گرفتی بعدل و همت و رای
چو همت ست چه حاجت بگرز مغفر کوب ۔۔۔ چو دولت ست چه حاجت به تیر جوشن خای
عمل بیار که رخت سرای آخرت است ۔۔۔ نه عود سوز بکار آیدت نه عنبر سای
هر آنکس ست که به آزار خلق فرماید ۔۔۔ عدوی مملکت ست آن بکشتنش فرمای
بکام دل دشمن نشنید آن مغرور ۔۔۔ که نشنود سخن دشمنان دوست نمای
دیار مشرق و مغرب بگیر و جنگ مجوی ۔۔۔ دلی بدست کن و زنگ خاطری بزدای
نگویمت چو زبان آوران رنگ آمیز ۔۔۔ که ابر مشک فشانی و بحر گوهر زای
نکاهد آنچه نوشته ست عمر و نفزاید ۔۔۔ پس اینچه فایده گفتن که تا بحشر بپای

دوسرے قصیدہ میں چند مدحیہ شعر لکھ کر اتابک ابوبکر کی طرف

اس طرح خطاب کرتا ہے۔

مرا بہ شیوۂ درویش نیست تا گویم | کہ آنچنان کہ محیطی و ابر آذاری
نگویمت کہ بفضل از کرام ممتازی | نگویمت کہ بعدل از ملوک مختاری
وگرچہ اینہمہ ہستی نصیحت اولی تر | کہ نیز راہ خلاص است و دوستی یاری
بسعی کوش کہ تا کہ فراغت نبود | کہ سر بخاری اگر دو می شیر خاری
خدای یوسف صدیق را عزیز نکرد | بخوبروی و لیکن بخوب کرداری
شکوہ لشکر و جاہ و جلال و مالت ہست | ولی بکار نیاید بجز نکوکاری
بقای مملکت اندر وجود یک حرف است | کہ دست ہیچ قوی بر ضعیف نگماری
پس از گرفتن عالم چو کوچ خواہد بود | رواست گر ہمہ عالم گرفتہ انگاری
ز ہیچکس چو بباید گذشت آن بہتر | کہ نیک نام بدست آوری بگذاری
ہزار سال نگویم بقای عمر تو باد | کہ این مبالغہ دانم ز عقل نشماری
ہمین سعادت و توفیق بر مزیدت باد | کہ حق گذاری و ناحق کسی نیازاری

اتابک سلجوق شاہ بن سلغر شاہ جو اتابکوں کے خاندان میں بڑا ظالم بادشاہ گزرا ہے اور جو آخر کو اپنے ظلم کے سبب قتل کیا گیا اس کی مدح میں چند شعر لکھ کر کہتا ہے۔

مراد سعدی از انشاد و زحمت خدمت | نصیحت است بسمع قبول شاہنشاہ
دوام دولت و آرام مملکت خواہی | ثبات امنت و امن و مزید رفعت و جاہ
کمر بطاعت و انصاف و عدل و عفو ببند | چو دست رحمت حق بر سرت نہادہ کلاہ
تو روشن آینہ ز آہ دردمند بترس | عزیز من کہ اثر میکند در آینہ آہ

متعلمان بد آموز را سخن مشنو | که دیر سال مبانی بکام نیکی خواه

اباقا خان یعنی ہولاکو خان یا اسکے بیٹے اباقا خان کی شان میں جن کی ہیبت سے روم و روس و چین ہلکے ۔ وشاہ لرزتے تھے یہ چند اشعار لکھکر لکھتا ہے۔

ہر نوبتی نظر بہ یکی مے کند سپہر | ہر چند میرسید بہ یکی میرسد اماں
ہیچی نشاں کہ دولت باقیست بر دہر | کایں باغ عمر گاہ بہارست گہ خزاں
ای بادشاہ روی زمین دور از آن تست | اندیشہ تقلب دوران کن و زماں
چون کام جاودان متصور نمیشود | خرم کسیکہ زندہ کند نام جاودان
تا داں کہ نجل میکند وگنج مے نہد | مزدور دشمن است تو بر دوستان فشان
یارب تو ہر چہ رای صوابست و فعل خیر | اندر دل وی افگن و بر دست وی بران
آہوی طبع بندہ چنیں مشک مے دہد | کز پاس میپرید بہ تاتارش ارمغاں

سردار انکیانو جو خاندان اتابک کے زوال کے بعد سلطان اباقا خان پسر ہولاکو خان کے حکم سے فارس کا فرمان روا مقرر ہوا تھا اور اپنے قدیم تاتاری مذہب پر نہایت پختگی سے ثابت قدم تھا اس کے شان میں جتنے قصیدے شیخ نے لکھے ہیں اُن میں متعدد اشعار کے سوا باقی تمام نصیحت و پند مندرج ہے از انجملہ ایک قصیدہ میں بہت سی مواعظ و نصائح کے بعد لکھتا ہے۔

حرامش باد ملک و بادشاہی | کہ پیشش مدح گویند از قفا ذم
عروس زشت دنیا کے تواں کرد | دگر بر خود کند دنیای معظم

اگر مردم ہمیں بالا و ریش اند ٭ بہ نیزہ نیز بر بستہ ست پرچم
چنیں پند از پدر نشنیدہ باشی ٭ الا گر ہوشیاری بشنو از عم
چو یزداں نت مکرم کرد و مخصوص ٭ چناں زی در میان خلق عالم
کہ گر وقتے مکاں پادشاہیست ٭ نباشد ۔ ہمچناں باشی مکرم
نہ ہرکس حق تواند گفت گستاخ ٭ سخن ملکے ست سعدی را مسلم
مقامات از دو بیروں نیست فردا ٭ بہشت جاودانی یا جہنم

سلجوق شاہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اُس کی مدح کو ایک اور قصیدہ میں اس طرح ختم کیا ہے۔

جہاں نماند و آثار مملکت ماند ٭ بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم
کہ ملک و دولت ضحاک بیگنہ آزار ٭ نماند و تا بہ قیامت بماند رقم
خطاے بندہ نگیری کہ مہتران و ملوک ٭ شنیدہ اند نصیحت ز کہتران خدم
خنک کسیکہ پس از وے حدیث خیر کنند ٭ کہ جز حدیث نمی ماند از بنی آدم

ان کے سوا جو قصیدے خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُس کے بھائی خواجہ علاء الدین جوینی اور مجد الدین رومی اور فخر الدین ابوبکر وغیرہم کی مدح میں لکھے ہیں اُن میں بھی مدح اکثر براے نام ہے زیادہ تر نصیحت و پند ہے اور بہت سے قصیدے ایسے بھی ہیں جو کسی کی مدح میں نہیں ہیں اُن میں صرف نصائح و مواعظ یا فصل بہار کا سماں یا معشوق کی تعریف یا حمد الٰہی وغیرہ مندرج ہے ٭

ایک مختصر قصیدہ اوّل سے آخر تک بھی اِس مقام پر نقل کیا جاتا ہے
تاکہ ناظرین کو مدح اور نصیحت دونو کا ڈھنگ معلوم ہو +

مدح و موعظۂ مجد الدّین رومی

جہاں برآب نہادہ ست زندگی بر باد / غلام ہمت آنم کہ دل برو ننہاد
جہاں نماند و خرم روان آدمئے / کہ باز ماند ازو در جہاں بہ نیکی یاد
سرائے دولت باقی نعیم آخرتست / زمین سخت نگہ کن چو مے نہی بنیاد
کدام عیش دریں بوستان کہ باد اجل / ہمے برآورد از بیخ قامت شمشاد
حیات عاریتے خانہ ایست در رہ سیل / چراغ عمر نہادہ است بر دریچۂ باد
بسے برآید و بے ما فرو شود خورشید / بہار گاہ خزاں باشد و گہے مرداد
برآنچہ میگذرد دل منہ کہ دجلہ بسے / پس از خلیفہ بخواہد گذشت در بغداد
گرت ز دست برآید چو نخل باش کریم / ورت بدست نباشد چو سرو باش آزاد
بسے بدیدۂ حسرت ز پس نگاہ کند / کسیکہ برگ قیامت نہ پیش نفرستاد
وجود خلق بدل میکنند ورنہ زمیں / ہماں ولایت کیخسروست و ملک قباد
چو طفل بر ہمہ بازید و بر ہمہ خندید / عجب ترآنکہ نگشتند دیگراں استاد
عروس ملک نکوروے دختریست ولے / وفا نمے کند این سست مہر با داماد
نہ خود سریر سلیماں بباد رفتہ و بس / کہ ہر کجا کہ سریست میرود بر باد
ہمیں نصیحت من گوش دار و نیکی کن / کہ دائم از پس مرگم کنی بہ نیکی یاد
نداشت چشم بصیرت کہ گرد کردہ بخورد / ببرد گوئے سعادت کہ صرف کرد و بداد

چنانکہ صاحب فرخندہ رائے مجد الدین
کہ ہیچ ابر نفشاند و بنائے خیر نہاد

نگویمت بہ تکلف فلان دولت و دین
سپہر مجد و معالی جہان دانش و داد

تو آں برادر صاحبدلی کہ مادر دہر
بسالہا چو تو فرزند نیکبخت نزاد

بروزگار تو ایام دست فتنہ ببست
بیمن تو در اقبال بر جہان بکشاد

دلیل آنکہ ترا از خدائے نیک آید
بس ست خلق جہانرا کہ از تو نیک افتاد

یکے دعا کنمت بے رعونت از سر صدق
خدات در نفس آخرین بیامرزاد

تو ہم زبان بکنی گر بصدق دل گوئی
کہ آفرین خدا بر روان سعدی باد

ایک ترجیع بند کے کچھ اشعار بھی جو کہ شیخ نے سعد[1] بن ابوبکر کے مرثیہ میں لکھے ہیں اور جو کلیات میں غلطی سے امیر فخر الدین ابوبکر کے نام پر

[1] امیر فخر الدین ابوبکر اتابک ابوبکر کے اُمرائے نامدار میں سے تھا جو ادنیٰ درجہ سے منصب امارت بلکہ شارکت ملک تک پہنچا تھا اور سعد ابوبکر اتابک کا بیٹا تھا جس زمانہ میں ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کیا تھا ابوبکر نے اپنے بیٹے سعد ابوبکر کو اظہار دوستی و خیر خواہی کے لئے بغداد میں بھیجا تھا جب وہاں سے باعزاز تمام رخصت ہوا۔ تو راہ میں باپ کے مرنے کی خبر سُنی جس سے اَور ولی عہدوں کی طرح اُس کو خوش ہونا چاہئے تھا مگر اُس کو اس خبر سے ایسا صدمہ ہوا کہ راہ ہی میں سخت بیمار ہو گیا اور رستے ہی میں باپ کی وفات سے بارہ روز بعد مرگیا۔ اُس کی سُناونی جب شیراز میں آئی۔ تو شیخ نے یہ مرثیہ لکھا ہے جیسا کہ ترجیع کے شعر سے ظاہر ہے۔ سعد کے بعد اُس کا بیٹا اتابک محمد مظفر اُس کا جانشین ہوا ۱۲

لکھدیا گیا ہے بطور نمونہ کے یہاں نقل کیے جاتے ہیں ⁂

عزیزاں را دل از ہجرِ تو خون ست ... دلِ خویشاں نمے دانم کہ چون ست
عنانِ گریہ چوں شاید گرفتن ... کہ از دستِ شکیبائی برون ست
مگر شاہنشہ اندر قلبِ لشکر ... نمے آید کہ رایت سرنگون ست
شکیبائی مجو از جانِ مہجور ... کہ بار از طاقتِ مسکین فزون ست
سکوں در آتشِ سوزندہ گفتم ... نشاید کرد۔ و دریان ہم سکون ست
کہ دنیا صاحبے بدعہد و خونخوار ... زمانہ مادرے بے مہر و دون ست
نہ اکنوں ست بر ما جورِ ایّام ... کہ از دورانِ آدم تاکنون ست

نمی دانم حدیثِ نامہ چون ست
ہمی بینم کہ عنوانش بخوان ست

بزرگاں چشم و دل در انتظارند ... عزیزاں وقت و ساعت مے شمارند
غلاماں دُر و گوہر مے فشانند ... کنیزاں دست و ساعد مے نگارند
ملک خان و مشاق و بدرو ترخاں ... برہوارانِ تازی بر سوارند
کہ شاہنشاہِ عادل سعد بوبکر ... بہ ایوانِ شہنشاہی درآرند
حرم شادی کناں بر طاق و ایوان ... کہ مروارید بر تاجش ببارند
زمیں مے گفت عیشے خوش گزاریم ... ازاں پس آسماں گفت آں گزارند
اسبابِ تاج و تختِ خسروی بود ... ازیں غافل کہ تابوتش درآرند
چہ شد پاکیزہ رُویانِ حرم را ... کہ بر سرکاہ و بر زیور غبارند
نشاید پارہ کردن زیور و دستے ... کہ مرہم تختِ امر کردگارند

ولیکن باچنیں داغِ جگر سوز
نمے شاید که فریادے ندارند

بسے شاید که مهجوران بگریند
روا باشد که مظلومان بزارند

نمے دانم حدیثِ نامه چون ست
همی بینم که عنوانش بخون ست

پس از مرگ جوانان گل هما ناد
پس از گل در چمن بلبل نخواناد

کس اندر زندگانی قیمتِ دوست
نداند ـ کس چنیں قیمت مداناد

سر آمد روزگار سعدِ بوبکر
خداوندش برحمت دررساناد

به تلخی رفت از دنیاے شیریں
زلال کام در حلقش چکاناد

جزاے مرده رفتن در غریبی
شراب از دستِ پیغمبر ستاناد

دریں گیتی مظفر شاه عادل
محمد نام پروارش بماناد

سعادت پرتوِ نیکان دهادش
بخوے صالحانش پروراناد

روانِ سعد را با جانِ بوبکر
به اوجِ روح و راحت گستراناد

بکامِ دوستان و بخت فیروز
بسے دوران دیگر بگذراناد

نمے دانم حدیثِ نامه چوں ست
همے بینم که عنوانش بخون ست

صاحبیّہ

یہ مجموعہ شیخ کے متفرق اشعار کا سو صفحے کے قریب ہے جسمیں قطعہ - رباعی - فرد - مطلع - مثنوی وغیرہ جمع کی گئی ہیں - چونکہ شیخ کے ساتھ خواجہ شمس الدین حسین صاحب دیوان کو کمال خلوص اور عقیدت تھی اسلئے شیخ نے اس مجموعہ کا نام صاحبیّہ رکھا ہے -

اِن اشعار میں کوئی نئی خصوصیت نہیں ہے جسکا ذکر کیا جائے بیشتر اشعار نصیحت و پند پر اور کسیقدر حسن و عشق کے مضامین پر مشتمل ہیں - چند قطعے اور رباعیاں جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں نقل کی جاتی ہیں -

قطعات

ناکساں را فراغتے ست عظیم	گرچہ تاریک طبع و بد خویند
چوں دو کس مشورت کنند بہم	گوید ایں عیب من ہمی گویند

سگے شکایتِ ایام با سگے مے گفت	نہ بینیم کہ چہ برگشتہ حال و مسکینم
نہ آشیانہ چو مرغاں نہ غلّہ چوں موراں	قناعتم صفت و بُردباری آئینم
گرم دہند خورم ورنہ میرم آزاد	نہ ہمچو آدمیاں خشمناک بنشینم
مرا نہ برگِ زمستاں نہ عیشِ تابستاں	کفایت است ہمیں پوستین پارینم

نه در ریاضت و خلوت مقام میسازم — که جایگاه کلوخ است و سنگ بالینم
بلقمۂ که تناول کنم ز دست کسے — رواست گر بزنند بعد ازاں بژوبینم
چو گربه در بدر آیم ز دست مردم چیز — در افتاده بود ریزه ریزه بر چینم
بجاے من که نشیند که در مقام رضا — برابرست گلستان و تل سرگینم
مرا که سیرت ازین جنس و خوی دین صفت ست — چه کرده ام که سزاوار ننگ و نفرینم
جواب داد کزین بیش نعت خویش مگو — که خیره گشت ز وصفت زبانِ تحسینم
ببین و خصلت ملعون کفایتت که ترا — غریب دشمن و مردار خوار مے بینم

نظر کردم به چشم راے و تدبیر — ندیدم به ز خاموشی خصالے
نگویم لب ببند و دیده بر دوز — ولیکن هر مقامے را مقالے
زمانے بحثِ علم و درس و تنزیل — که باشد نفسِ انسان را کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات — که خاطر را بود دفع ملالے
خدا یست آنکه ذاتِ بے مثالش — نگردد هرگز از حالے بحالے

رحم الله معشر الماضین — که بمردی قدم سپردندے
راحتِ نفسِ بندگان خدا — راحتِ جان خود شمردندے
آں عزیزاں چو زنده مے نشوند — کاش این ناکسان بمردندے

بس دست دعا بر آسمان بود — تا پاے برآمدت بسنگے

اے گرگ نہ گفتمت کہ روزے | ناگہ بہ سر افتدت پلنگے

ضعفِ پیران

اے طفل کہ دفعِ مگس از خود نتوانی | ہر چند کہ بالغ شدی آخر نہ همانی
شکرانۂ زورِ آوریِ روزِ جوانی | آنست کہ قدرِ پدرِ پیر بدانی

شانِ رزاقی

صانعِ نقش بند بے مانند | کہ ہمہ نقش او نکو آید
رزقِ طائر نہاد در پر و بال | کہ بہر طعمہ فرو آید
روزیِ عنکبوت را بہ مگس | پر دہد تا بہ نزدِ او آید

مالِ یتیمان

الحق اُشاے مالِ ایتام | ہمچوں تو حلال زادہ باشند
ہرگز زن و مردِ کفر و اسلام | نفس از تو پلید تر نہ زایند
طفلان ترا پدر بمیراد | تا جورِ وصی بیاز مایند
اطفالِ عزیز نانہ پروردہ | از دستِ تو دست بر خدایند

نگاہِ احتیاط در دفعِ دشمن

امیر با عسل از دستِ خلق می نخورد | کہ زہر در قدحِ انگبین تواند بود
عجب کہ در عسل از زہر میکند پرہیز | حذر نمیکند از تیرِ آہ زہر آلود

شوہرِ بیوگان

شنیدم کہ بیوہ زنے در دمند | ہمے گفت و رُخ بر زمین مے نہاد
ہر آں کدخدارا کہ بر بیوہ زن | ترحم نباشد زنش بیوہ باد

هر بد که بخود نمی پسندی / با کس مکن ای برادرِ من
گر مادرِ خویش دوست داری / دشنام بده به مادرِ من

مقابلت نکند با جهد به پیشانی / اگر کسی که تهوّر کند بنادانی
کس این خطا نه پسندد که دفعِ دشمن خود / توانی و نکنی یا کنی و نتوانی

شنیده ام که فقیهی به دشتبانی گفت / که هیچ خربزه داری رسیده گفت آری
ازین طرف دو به دانگی - گر اختیار کنی / وزان - چهار به دانگی قیاس کن باری
سوال کرد که چندین تفاوت از پی چیست / که فرق نیست میانِ دو نوع بسیاری
بگفت ازانچه تو بینی حلال و ملکِ من است / نیامده ست بدستم بوجه آزاری
وزان دگر پسرانم بغارت آوردند / حرام را نبود نزد شرع مقداری
فقیه گفت حکایت دراز خواهی کرد / ازین حرام تر است صد به دیناری

تا سگان را وجوه پیدا نیست / مشفق و مهربان یکدگر اند
لقمه در میانِ شان انداز / که تهی گاه یکدگر بدرند

رباعیات

شب نیست که چشم آرزومند تو نیست / وین جان بلب رسیده دربند تو نیست
گر تو دگری بجای من بگزینی / من عهد تو نشکنم که مانندِ تو نیست

ماہی امید عمرم از شست برفت | بے فائدہ روزم چو شب مست برفت
عمرے کہ ازو دمے بجاے ارزد آ | افسوس کہ رائگانم از دست برفت

از بس کہ بیازرد دل دشمن و دوست | گوئی بگناہ مسخ کردندش پوست
وقتے غم او بر دلہا بودے | اکنوں ہمہ غم ہاے جہاں بر دل اوست

گویند ہواے فصل آذار خوش ست | ا بوے گل و بانگ مرغ گلزار خوش ست
ابریشم زیر و نالۂ زار خوش ست | اے بے خبراں ایں ہمہ با یار خوش ست

گویند مرو در پئے آں سرو بلند | ا انگشت نماے خلق بودن تا چند
بے فائدہ پندم مدہ اے دانشمند | من چوں نروم کہ مے برندم بہ کمند

آہو برہ را کہ شیر در پے باشد | بیچارہ چہ اعتماد بر وے باشد
ایں ملح در آب چند بتواند بود | ویں برف در آفتاب تا کے باشد

آنرا کہ نظر بروے ہر کس باشد | در دیدۂ صاحب نظراں خس باشد
قاضی بدو شاہد بدہد فتوی شرع | در مذہب عشق شاہدے بس باشد

مرداں ہمہ عمر بادہ بر دوختہ اند | قوتے بہزار حیلہ اندوختہ اند

فرداے قیامت بگناه ایشاں را　　باشد که نسوزند که خود سوخته اند

با دوست بگرمابه درم خلوت بود　　وان روے گلینش گل حمام آلود
گفتا دگر این روے کسے دارد دوست؟　　گفتم بگل آفتاب نتوان اندود

چون صورت خویشتن در آئینه بدید　　وآں کام و دہان و لب و دندان بگزید
میگفت چنانکه میتوانست شنید　　بس جاں بلب آمد که بدین لب نرسید

امشب نه بیاض روز بر مے آید　　نه نالهٔ مرغان سحر مے آید
بیدار نشسته ام نظر بر سر کوه　　تا صبح کے از سنگ بدر مے آید

وقتست که چشم فتنه خوابش ببرد　　باد از رخ گل حسن شبابش ببرد
گل وقت رسیدن آب عطار ببرد　　عطار بوقت رفتن آبش ببرد

وقت گل و بردن شادمانی آمد　　هنگام نشاط و کامرانی آمد
آں شد که بسر با نتوانی آمد　　سر با شد و وقت مهربانی آمد

ما چاکر آنیم که دل بربایه　　یا دل به کسے دهد که جاں آسایه
آنکس که نه عاشق و نه معشوق کسیست　　در ملک خدا اگر نباشد شاید

آں گل کہ ہنوز نو بدشت آمدہ بود ۔ نشگفتہ تمام باد مہرش بربود
بیچارہ بسے امید در خاطر داشت ۔ امید دراز و عمر کوتاہ چہ سود

من دوش قضا یار و قدر یشتم بود ۔ تاریخ ز نخدان تو در مشتم بود
دیدم کہ ہمے گزم لب شیرینت ۔ بیدار چو گشتم سر انگشتم بود

چندان خیل تو صد باشد و خصم تو ہزار ۔ خود را بہ ہلاک میسپاری زنہار
تا بتوانی برآور از خصم دمار ۔ چوں جنگ ندانی آشتی عیب مدار

نامردم اگر زنم سر از مہر تو باز ۔ خواہی بکشتم بجور و خواہی بنواز
ور بگریزم ز دست اے مایۂ ناز ۔ ہر جا کہ روم پیش تو مے آیم باز

تا سر نکنم در سرت اے مایۂ ناز ۔ کوتہ نکنم ز دامنت دست نیاز
ہر چند کہ راہم بتو دورست و دراز ۔ در راہ بمیرم و نگردم ز تو باز

گر بے خبراں عیب گویاں از پس ۔ منسوب کنندم بہوا و بہوس
آخر گناہ است کہ من کردم و بس ۔ منظور ملیح دوست دارد ہمہ کس

چوں زہرۂ شیراں بدرد نعرۂ کوس ۔ بر باد مدہ جان گرامی بہ فسوس

با آنکہ خصومت نتواں کرد - بساز ۱ دستے کہ بقوت نتواں برد ببوس

یا ہمچو ہماے بر من افگن پر خویش | تا بندگیت کنم بجان و سر خویش
ور لایق خدمتم ندانی بر خویش | گو من سر خویش گیرم و کشور خویش

ہمسایہ کہ میل طبع باشد سویش | فردوس برین بود سرا در کویش
واں را کہ نخواہی کہ ببینی رویش | دوزخ باشد بہشت در پہلویش

ہر سرو قدے کہ بگذرد در نظرم | در ہیأت او خیرہ بماند بصرم
چون من نتوانم کہ جواں گردم باز | آخر کم از آنکہ در جوانان نگرم

خود را بہ مقام شیر مے دانستم | چوں خصم آمد بہ روبہے مانستم
گفتم من و صبر اگر بود روز فراق | چوں واقعہ او فتاد نتوانستم

شبہا ز ہمہ خلق نہاں مے گریم | چشم از غم دل بر آسماں می گریم
طفل از غم مرغ رفتہ چوں گریہ کند | بر عمر گذشتہ ہمچناں مے گریم

چوں ما و شما اقارب یکدگریم | ہمراز بود کہ پردۂ ہم ندریم
اے خواجہ تو عیب من مکن تا من نیز | عیب تو نگویم کہ یک از یک بتریم

گر برگِ جان زشت آید بترم | چه خوشتر از انکه پیشِ دست میرم
دل با تو خصومت آرزو میکندم | تا صلح کنی و در کنارت گیرم

می آئی و لطف و کرمت می بینم | و آسایش جان در قدمت مے بینم
وان وقت که غائبی ہست می بینم | ہر جا که نگه مے کنمت مے بینم

گفتم که دگر چشم به دلبر نه کنم | صوفی شوم و گوش به منکر نه کنم
دیدم که خلاف طبعِ موزون من ست | توبت کردم که توبه دیگر نه کنم

مه را ز فلک بطرفِ بام آوردن | وز روم کلیسیا بشام آوردن
در وقتِ سحر نمازِ شام آوردن | بتوان نتوان ترا بدام آوردن

نه سرو توان گفت نه خورشید و نه ماه | آه از تو که در وصف نمی آئی آه
ہر کس به ہے میرود اندر ظلمت | گر ره بتو بودے نه بُدے اینهمه راه

اے راہروان راگذر از کوی تو نه | ما بیخبر از عشق و گذر سوے تو نه
ہر تشنه که از دستِ تو بستاند آب | از دستِ تو سیر گردد از روے تو نه

اے یار کجائی که در آغوش نهٔ | دامشب بر ما نشسته چون دوش نهٔ

ای سپهر بلند و راحت جسم و روان ‌ ‌ هر چند که غایبی فراموش نهٔ

ای کاج نکردمی نگاه از دیده ‌ ‌ بر دل نزدی عشق تو راه از دیده
تقصیر ز دل بود و گناه از دیده ‌ ‌ آه از دل و صد هزار آه از دیده

روزی دو سه شد که بنده ننواختهٔ ‌ ‌ و اندیشه به ذکر ما نپرداختهٔ
زان می ترسم که دشمنان اندیشند ‌ ‌ کز چشم عنایتم بینداختهٔ

گفتم که کنم توبه ز صاحب نظری ‌ ‌ باشد که بلای عشق گردد سپری
چندانکه نگه می کنم ای رشک پری ‌ ‌ هر روز بهی ز اولین خوبتری

گویند که دوش شحنگان تتری ‌ ‌ دزدی بگرفتند بصد حیله گری
امروز بیاویختنش می بردند ‌ ‌ میگفت رها کن که گریبان بدری

گیرم که بفتوای خردمندی و رای ‌ ‌ از دایرهٔ شرع برون ننهم پای
با سیل طبیعت کند چه توان کرد ‌ ‌ عیبی ست که در من آفرید خدای

مفردات

دانی چه گفته اند بنی عوف در عرب | نسل بریده به که موالید بے ادب

تو آتش به نے در زن و در گذر | که نه خشک در بیشه ماند نه تر

مروت نباشد برافتاده زور | برد مرغ دوں دانه از پیش مور

خواہی که به طبعت همه کس دارد دوست | با ہر که درافتی چناں باش که اوست

گر راه نمائی همه عالم راه است | در دست نگیری همه عالم چاه است

نہالے که سی سال گردد درخت | ز بیخش برآرد یکے باد سخت

اگر ثواب سرہنگاں ہم از در گربرانندت | ازاں بہتر که در پہلوے محبوبے نشانندت

سلطاں چو به منزل گدایاں آید | گر بر سر بوریا نشیند شاید

گر ز ہفت آسماں گزند آید | همه بر عضو دردمند آید

اگر دنداں نباشد ناں تواں خورد | مصیبت آں بود کت ناں نه باشد

منعم که نظر بحال درویش کند | چندانکه کرم کند طمع بیش کند

تواضع گرچه محمودست و فضل بیکراں دارد | نشاید کرد بیش از حد که ہیبت را زیاں دارد

گفتم که برآید آبے از چاه امید | افسوس که دلو نیز در چاه افتاد

بشکر آنکه تو در خانه و اہلت پیش | نظر دریغ مدار از مسافر درویش

کوته نظراں را نبود جز غم خویش | صاحب نظراں را غم بیگانه و خویش

گر بلندیت کسے دہد دشنام | به که ساکن دہی جواب سلام

بشنو که من نصیحت پیران شنوده ام ـ بیش از تو خلق دیده و پیش از تو بوده ام

از بهر دل کسے بدست آوردن ـ مطبوع نباشد دگرسے آزردن

چو بد گفتی مباش ایمن ز بد گو ـ که بد را کس نخواهد گفت نیکو

صاحبدل و نیک سیرت و علامه ـ گو کفش دریده باش و خلقان جامه

کرم بجاے فروماندگان چو بتوانی ـ مروت ست نه چندانکه خود فرومانی

مردی نه بقوت ست و شمشیر زنی ـ آنست که ظلمے کر توانی نه کنی

تو با ما روز و شب در باغ انسی ـ اخلاف ست اینکه طول العهد ینسی

پاے ملخے نزد سلیمان بردن ـ عیب ست و لیکن هنرست از مورے

من سخن راست نوشتم تو اگر راست نخوانی ـ جرم تحقیق نباشد چو تو شطرنج ندانی

کتبت لیبقی الذکری ایا بعدی

ویا ذا الجلال اغفر لکاتبه السعدی

مطائبات و ہزلیات و مضحکات

شیخ کے کلیات کا سب سے اخیر حصہ مجموعہ ہزلیات ہے جو تیس بتیس صفحے سے زیادہ نہ ہوگا - یہ مجموعہ فی الحقیقت شیخ کے عارض کمال پر ایک نہایت بدنما مسّا ہے جو شیخ کی شان سے نہایت بعید اور اُس کے فضل و کمال و بزرگی کے بالکل منافی ہے - اس میں زیادہ تر نظم اور کسیقدر نثر ہے اور کہیں کہیں عربی عبارت بھی ہے - حضرت نے اس حصہ میں اپنی شیخوخت اور تقدّس کو بالائے طاق رکھکر خوب آزادی اور بیباکی سے دل کھولکر فحش اور ہزل کی داد دی ہے جسپر ہرگز یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ یہ پوچ اور لغو اور بیہودہ کلام اُسی شخص کا ہے جس کے نتائج افکار سے گلستان اور بوستان جیسی بے بہا کتابیں موجود ہیں - آدمی کا خطا وار اور ناقص ہونا بھی اُس کے انسان ہونے کی علامت ہے - اور اُس کے اقوال و افعال کا تفاوت اور اختلاف اور اُن کا ہمیشہ ایک ضابطہ اور ایک قانون کے موافق سرزد نہ ہونا بھی وہ چیز ہے جو اُس کو دیگر حیوانات سے تمیز دیتی ہے انسان کے خیالات کو ایک نادان بچہ کی حرکتوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کی ایک حرکت پر بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور دوسری حرکت پر حد سے زیادہ غصہ آتا ہے - اس میں شک نہیں کہ شیخ کی طبیعت پر ظرافت

اور مزاح غالب تھا اور جب یہ صفت حد سے گذر جاتی ہے تو اُس سے فحش اور ہزل پیدا ہوتا ہے۔ مگر شیخ نے اِس مجموعہ کے شروع میں چند سطریں معذرت آمیز عربی عبارت میں لکھی ہیں جو قابل لحاظ ہیں وُہ لکھتا ہے کہ "اَلْزَمَنِیْ بَعْضُ اَبْنَاءِ الْمُلُوْکِ اَنْ اُصَنِّفَ لَهٗ کِتَابًا فِی الْهَزْلِ عَلٰی طَرِیْقِ السُّوْزَنِی فَلَمْ اُجِبْهُ فَهَدَّدَنِیْ بِالْقَتْلِ فَلِاَجْلِ ذٰلِکَ اَجَبْتُ اَمْرَهٗ وَ اَنْشَدْتُ هٰذِهِ الْاَبْیَاتَ وَ اَنَا اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ"

یعنی ایک بادشاہزادہ نے مجھکو اِسبات پر مجبور کیا کہ میں اُس کے لئے ایک کتاب حکیم سوزنی کی روش پر ہزل میں لکھوں۔ میں نے نہ مانا اسپر اُسنے مجھکو قتل کی دھمکی دی۔ اِسلئے ماننا پڑا اور یہ اشعار لکھے اور میں خدائے بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

شیخ کا عذر جہانتک ہماری راے ناقص میں آتا ہے بہت قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔ شیخ جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے ہمیشہ سیر و سفر میں رہتا تھا۔ تاتار سے لیکر رُوم و مصر و حبش تک اُس کی جولان گاہ تھی اسکی شاعری اور نکتہ سنجی کا شہرہ اُس کی زندگی ہی میں دُور دُور پہنچ گیا تھا۔ مسلمان امیرزادوں اور بادشاہوں کی صحبتوں میں لہو و لعب اور تمسخر و استہزا کی بُنیاد پڑ چکی تھی۔ پس اگر کسی نالایق بادشاہزادے نے شیخ کی ظرافت اور بذلہ سنجی کا شہرہ سُنکر اِس خیال سے کہ ہمیشہ گرمی صحبت کے لئے ایک مجموعۂ ہزل و فحش موجود رہے شیخ کو اِن ہفوات کے لکھنے پر مجبور کیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ اِس

مجموعہ میں صریح فحش اور علانیہ پھکڑ کے سوا بامزہ اور لطیف خیالات جیسے کہ شیخ کے کلام کی عام خاصیت ہے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ تمام ہزلیات دل کی اپج اور طبیعت کی اُمنگ سے نہیں بلکہ محض نفرت و کراہت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

ایران میں ہزل و فحش کی شاعری دورۂ غزنویہ کے شعرا سے برابر چلی آتی تھی اور یہ طریقہ اسقدر عام اور بے عیب ہو گیا تھا کہ افاضل شعرا کی عظمت اور بزرگی میں اس سے کچھ فرق نہ آتا تھا۔ اکثر ہاجی اور ہزال حکیم کے لقب سے ملقب ہوتے تھے اور اب تک ہوتے ہیں جیسے حکیم انوری۔ حکیم خاقانی۔ حکیم شفائی۔ حکیم قاآنی وغیرہ وغیرہ۔ سوزنی بھی جو چھٹی صدی کا شاعر ہے اور جس کا ذکر شیخ کی مذکورہ بالا عبارت میں ہے حکیم سوزنی کہلاتا تھا۔ اس کا ہزل اور فحش انتہا درجہ کو پہنچ گیا تھا۔ اسنے حکیم سنائی کی بہت سی ہجویں لکھی ہیں اور حکیم صاحب نے بھی باایں ہمہ مشیخت و تقدّس تنگ آکر اُسکے جواب میں ایک ایسی جامع و مانع گالی تصنیف فرمائی ہے جو سوزنی کی عمر بھر کی گالیوں اور پھکڑ کا جواب ہو سکتی ہے۔ حکیم ابوالعلائی گنجوی جو منوچہر شروان شاہ کے عہد میں پایۂ تخت کا ملک الشعرا تھا۔ باوجودیکہ وہ حکیم خاقانی کا مربّی اور خسر تھا اُس کے اور خاقانی کے باہم ایسی رکیک اور نالائق ہجو بازی ہوتی تھی جسکی تصریح کرنے سے شرم آتی

ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بُرائی سوسائٹی میں اِسقدر عام اور بے عیب ہو جائے اُس سے بالکل پاک اور مُبرّا رہنا بشر کی معمولی طاقت سے باہر ہے اور اُس کے ارتکاب پر ایسا سخت مواخذہ نہیں کیا جا سکتا جس کا کہ وُہ عیب فی نفسہٖ مستحق ہے۔

ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے عنفوانِ شباب میں جو کہ شوخی اور بیباکی کا زمانہ ہے کسی موقع پر یہ خرافات بھی لکھ دی ہوگی۔ اور ایسا کم وبیش ہر شخص سے ظہور میں آتا ہے۔ مگر کوئی شخص ایسے بیہودہ اور لغو کلام کو اپنی تصنیفات میں شامل کر کے اپنی طرف منسوب اور اپنے نام سے شائع نہیں کرنا چاہتا۔ شیخ نے بھی یقیناً ایسا ہرگز نہ چاہا ہوگا مگر چونکہ وہ زمرہ مشائخ وعُرفا میں سے گنا جاتا تھا اور معتقدین کے نزدیک اُس کا ہزل بھی انوار وبرکات سے خالی نہ تھا اِسلئے کسی بزرگوار نے اُس کی وفات کے بعد اِس ناشدنی مجموعہ کو بھی تبرّکاً وتیمناً کلّیات میں داخل کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصّہ گلستاں کے مُرتب ہونے سے پہلے لکھا جا چُکا تھا کیونکہ اِس کے چند اشعار جن میں زیادہ ہزل نہیں ہے شیخ نے گلستان میں اپنے اپنے موقع پر نقل کئے ہیں۔

ہمکو بہت تجسّس سے چند رباعیاں اور قطعے اِس مجموعہ میں ایسے ملے ہیں جو فحش سے پاک ہیں سو وُہ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

رباعیات

آں عہد بیاد داری و دولت و داد — کز عاشق بے چارہ نمی کردی یاد
آنگہ بگر بختی کہ کس چون تو بنود — وامروز بیامدی کہ کس چون تو مباد

آن ماہ کہ گفتی ملک رحمان ست — این بار اگرش نگہ کنی شیطان ست
روے کہ چو آتش بزمستان خوش بود — امروز چو پوستین بہ تابستان ست

قطعات

چو خویشتن نتواند کہ مے خورد قاضی — ضرورت ست کہ بر دیگراں بگیرد سخت
کہ گفت پیرہ زن از میوہ میکند پرہیز — دروغ گفت۔ کہ دستش نمیرسد بہ درخت

مردکے غرقہ بود در جیحوں — کز سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زارے نالید — کاے دریغا کلاہ و دستارم

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور — بوقت مرگ پشیمان ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد — تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

عربی قصاید اور مقطعات

کُلیات شیخ میں بیس۲۰ صفحہ کے قریب قصیدے اور قطعے بھی شامل ہیں اور ان کے سوا اُسکے مُلمعات میں عربی اشعار اور مصرعے کثرت سے موجود ہیں۔ گلستان میں بھی جیساکہ اُسنے خاتمہ میں تصریح کی ہے تقریباً تمام عربی اشعار اُسی کے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اُس کی عمر کا ایک بڑا حصّہ دیارِ عرب میں بسر ہوا تھا اور عربی زبان بمنزلہ مادری زبان کے ہوگئی تھی اُسکے تمام فارسی اور عربی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد اُسنے زیادہ تر اپنی توجہ دینیات اور تصوّف اور علم ادب میں مصروف کی تھی۔ گو اُس کا عربی کلام بہت تھوڑا ہے مگر جسقدر ہے وہ ایسا ہی ہے جیساکہ ایک مشّاق اور ماہر ادیب کا ہونا چاہئے باایں‌ہمہ وُہ عربی شعر میں شاعری کا ادّعا نہیں کرتا چنانچہ بغداد کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔

وَبِالشِّعرِ اَیمُ اللّٰہِ لَسْتُ بِمُدَّعٍ
وَلَوکَانَ عِندِی مَا بِبَابِلَ مِن سِحْرٍ

بخدا اگر میں شاعری کا دعویٰ نہیں کرتا اگرچہ میرے کلام میں وُہ جادو موجود ہے جو بابل میں موجود تھا

ھُنَالِکَ نُقَّادٌ وَ‌مَلَاءٌ خِبرَۃً
وَ‌مُستَھجِنُو القَولِ الجَمِیلِ مِنَ الھُجرِ

یہاں علم اور واقفیت کی رو سے پرکھنے والے اور عُمدہ کلام کو بُرے کلام میں سے

چھانٹنے والے موجود ہیں۔

جَرَت عَبَرَاتِي فَوقَ خَدِّي كَآبَةً
فَانشَأتُ هٰذَا فِي قَضِيَّةِ مَا جَرىٰ

سوزِ دل کے سبب میرے آنسو چہرہ پر ٹپک پڑے۔ سو میں نے یہ قصیدہ اس سرگزشت کے بیان میں لکھ لیا۔

وَلَو سَبَقَتنِي سَادَةٌ جَلَّ قَدرُهُم
لَمَا حَسُنَت مِنِّي مُجَاوَزَةُ القَدرِ

اگر ذی رتبہ لوگ اس مضمون میں مجھ سے سبقت کرتے تو البتہ مجھکو اپنے رتبہ سے تجاوز کرنا زیبا نہ تھا۔

بہرحال اُسکا عربی کلام جسقدر ہے اور جیسا ہے غنیمت ہے اور اُس سے شیخ کی شاعری کا رتبہ سوایا بلکہ ڈیوڑھا ہوگیا ہے اب ہم اُسکے ایک طولانی قصیدہ میں سے جو کہ اُسنے خرابیِ بغداد پر لکھا ہے کچھ اشعار بطور نمونہ کے اُس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

حَبَستُ بِجَفنِي المَدَامِعَ لَا تَجرِي
فَلَمَّا طَغَى المَاءُ استَطَالَ عَلَى السُّكرِ

میں نے اپنی پلکوں میں آنسوؤں کو روکا تھا کہ بہنے نہ پائیں پر جب پانی نے طغیانی کی تو اُس بند کو توڑ ڈالا۔

نَسِيمُ صَبَا بَغدَادَ بَعدَ خَرَابِهَا
تَمَنَّيتُ لَو كَانَت تَمُرُّ عَلَى قَبرِي

کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اُسکی ہوا کا جھوکا میری قبر پر گزرتا۔

لِأَنَّ هَلَاكَ النَّفسِ عِندَ اُولِي النُّهىٰ
اَحَبُّ لَهُم مِن عَيشِ مُنقَبِضِ الصَّدرِ

کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک مرجانا تنگدل جینے سے بہتر ہے۔

زجرتُ طبیباً حسّ نبضی مُداویاً
الیک - فما شکوای من مرضٍ یبرئ

میں نے طبیب کو جبکہ اُس نے علاج کے لئے
میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا
کام کر مجھکو ایسے مرض کی شکایت نہیں
جو اچھا ہو سکے -

لزمتُ اصطباراً حیث کنتُ مفارقاً
وھذا فراقٌ لا یُعالجُ بالصبر

میں نے ہمیشہ احباب کی جدائی میں صبر
اختیار کیا ہے مگر یہ ایسی جدائی ہے جسکا
علاج صبر سے ممکن نہیں -

ولا تسألنّ عمّا جری یوم حصرِھم
وذلک ممالیس یدخل فی حصرِ

نہ پوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن
گزرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں
نہیں آسکتا -

اُدیرت کؤوسُ الموت حتّی کأنّہ
رؤوسُ الاساری تحرّکن من السّکر

شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے
یہاں تک کہ قیدی کشتوں کے سر (تڑپتے
ہوئے) ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے
میں جُنبش کر رہے ہیں -

بکت جُدُرُ المستنصریّة نُدبةً
علی العلماء الراسخین ذوی الحِجر

علمائے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش
تھے مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں زار زار
رو رہی ہیں

محابرُ تبکی بعدھم بسوادھا
وبعض قلوب الناس اَملکُ من حجرٍ

اُن کے بعد دواتین اپنی سیاہی کے
آنسوؤں سے روتی ہیں مگر بعض لوگوں کے

دل دوات سے زیادہ سیاہ ہیں

نَوائبُ دَهرٍ لَيتَنِي مِتُّ قَبلَها
و امرٌ اَرٰى عُظمٌ وَ ان السفيه على الحلم

یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش میں
اُن سے پہلے مر جاتا اور جاہلوں کا ظلم
دانشمندوں پر نہ دیکھتا۔

وَقَفتُ بِعَبَّادَانَ اَرقُبُ دِجلَةً
كَمِثلِ دَمٍ قَانٍ تَسِيلُ اِلَى البَحرِ

میں نے شہر عبادان میں ٹھہر کر دجلہ کے پانی کو
دیکھا کہ گویا خون کی مانند سمندر کی
طرف بہتا تھا۔

وَفَائِضُ دَمعِي فِي مُصِيبَةِ وَاسِطٍ
يَزِيدُ عَلَى مَدِّ البُحَيرَةِ وَالجَزرِ

میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں
جاری ہیں خلیج فارس کے مد و جزر کو اور
بڑھا دیتے ہیں۔

وَهَبْ اَنَّ دَارَ المُلكِ تَرجِعُ عَامِرًا
وَيُغسَلُ وَجهُ العَارِ عَن اَوجُهِ العِفرِ

فرض کرو کہ دار الخلافہ پھر آباد ہو اور
علماء کے چہرے غبار ذلت سے پاک
کیے جائیں۔

فَاَينَ بَنُو العَبَّاسِ مُفتَخَرُ الوَرَى
ذَوُو الخُلُقِ المَرضِيِّ وَالغُرَرِ الزُّهرِ

لیکن بنی عباس جن سے عالم کو فخر تھا جن کے
اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں
کہاں سے آئیں گی۔

غَدَا سَمَرًا بَينَ الاَنَامِ حَدِيثُهُم
وَذَا سَمَرٌ يُدمِي المَسَامِعَ كَالسُّمرِ

اُن کا ذکر اب دنیا میں ایک افسانہ ہو گیا
اور یہ وہ افسانہ ہے جو کانوں کو برچھیوں کی
نوک کی طرح خون آلودہ کرتا ہے۔

وفی الخبر المروی دین محمد یعود غریبا مثل مبتدأ الامر	حدیث میں آیا ہے کہ دین محمدی پھر غریب ہونے والا ہے جیسا کہ ابتدائی حال میں وہ غریب تھا۔
أأغرب من هذا یعود کما بدا وسمی دار السلم فی بدء الکفر	کیا وہ اس حالت سے بھی زیادہ غریب ہونیوالا ہے کہ تمام دارالاسلام کفر کے آتے ہی غریب ہوگیا۔
أتذکر فی اعلی المنابر خطبة ومستعصم بالله لم یک فی الذکر	کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اسمیں ذکر نہوگا۔
ضفادع حول الماء تلعب فرحة اصبر علی هذا ویونس فی القعر	کیا اسپر صبر ہوسکتا ہے کہ مینڈک پانی کے ادھر ادھر خوشی سے کھیلتے پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو۔
تحیة مشتاق والف ترحم علی الشهداء الطاهرین من الوزر	مشتاق کا سلام اور ہزاروں رحمتیں ان شہیدوں پر جو گناہوں سے پاک تھے۔
هنیئا لهم کأس المنیة مترعا وما فیه عند الله من عظم الاجر	موت کا لبالب پیالہ اور جو کچھ کہ اس میں خدا کی طرف سے اجر عظیم ہے انکو گوارا ہوجیو۔
علیهم سلام الله فی کل لیلة بمقتل زوراء الی مطلع الفجر	ہمیشہ انپر شام سے صبح تک زوراء کی قتلگاہ میں خدا کی رحمت نازل رہیو۔

ولیت صماخی صُمّ قبل استماعہ
بھتک اساتیر المخادم فی الاسر

کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے بے پردہ ہونیکی خبر سُننے سے پہلے میرے کان بہرے ہوجاتے ۔

کانّ صباح الاسر یوم قیامۃ
علے امم شُعثٍ تُساق الی الحشر

قید کی صبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اُمتیں سر میں خاک ڈالے ہوئے میدان حشر کی طرف ہکائی جاتی تھیں۔

ومستصرخ یا للمروّۃ فانصروا
ومن یُصرخ العصفور بین ید الصقر

بہت لوگ فریاد کرتے تھے کہ کوئی ہے مروت کی کوئی مدد کرو۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہنچتا ہے۔

یساقون سوق المعز فی کبد الفلا
عزائز قوم لا یعودون بالزجر

جو لوگ زجر اور دھمکی سُننے کے عادی نہ تھے اُن کے حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہکائے جاتے تھے۔

حُلین سبایا سافرات وجوھُھا
کواعب لا تبرزن من خلل الخدر

جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں اُن کو کھلے مُنہ اسیر کرکے لے گئے۔

تقوم وتخفو فی المعاجر واللوی
وھل یختفی مثل النواعم فی الوعر

وہ کھڑی ہوتی ہیں اور چادروں اور ٹیلوں کی ڈھلانوں میں مُنہ چھپاتی

ہیں مگر اُن کٹھن رستوں میں نازنینوں کی
چال کب چھپ سکتی ہے۔

لقد کان فکری قبل ذلک ما تری
فأحدث أمرٌ لا یحیط به فکری

اِس سے پہلے میری فکر جیسی تھی تو جانتا
ہے مگر ایک ایسا امرِ عظیم حادث
ہوا جو میرے فکر کے احاطہ سے
باہر ہے۔

وَبَیْنَ یَدَیْ صرفِ الزَّمانِ وَحُکْمِهِ
مُغَلَّلَةٌ أیْدِی الْقَیَاصِرِ وَالْحَبْرِ

زمانہ کی گردش اور حکومت کے سامنے
شہنشاہوں اور داناؤں کے ہاتھ
بندھے ہوئے ہیں۔

نَعُوْذُ بِعَفْوِ اللهِ مِنْ نَارِ فِتْنَةٍ
تَأَجَّجَ مِنْ قُطْرِ الْبِلَادِ إِلَى الْقُطْرِ

خدا کی پناہ ہے فتنہ کی اُس آگ سے جو
دُنیا کی ایک جانب سے دوسری جانب تک
بھڑکتی چلی گئی۔

بَدَا وَتَعَالَی مِنْ خُرَاسَانَ قَسْطَلٌ
فَغَادَرَکَامًا لَا یَزُوْلُ عَنِ الْبَدْرِ

خُراسان سے ایک غبار نمودار ہو کر بلند ہوا
اور ایک گھنگھور گھٹا بنگئی جو چاند پر سے ہٹنے
والی نہ تھی۔

رَعَی اللهُ إِنْسَانًا تَیَقَّظَ بَعْدَهُمْ
لِأَنَّ مُصَابَ الزّبیدِ مِنْ ضَجْرَةِ الْعُمْرِ

خُدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولت
بنی عباس کے بعد خوابِ غفلت سے
بیدار ہو گیا کیونکہ زبیدہ کی مصیبت عمر کے لئے
تازیانہ ہے۔

وسائر ملك يقتفيه زواله
سوى ملكوت القائم الدائم الوتر

خدائے بے نیاز و یگانہ کے مُلک کے سوا ہر مُلک اور سلطنت کے پیچھے اُس کا زوال لگا ہوا ہے۔

اذا كان بعد الموت لا فرق بيننا
فلا تنظرن الناس بالنظر الشزر

جبکہ مرنیکے بعد ہم سب میں کچھ فرق نہ رہیگا تو لوگوں کو تکبر کی نگاہ سے مت دیکھ۔

وجارية الدنيا نعومة كفها
محسنة لكنها الكلب ذو الظفر

کُتّے کی طرح معشوقہ دُنیا کی ہتیلیاں تو نرم نرم اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُسکے ناخن تیز ہیں۔

ولو ان ذا مال من الموت خاليا
لكان جديرا بالتعاظم والكبر

اگر مال و دولت والا موت سے خالی ہوتا تو البتہ بڑائی اور تکبر کرنیکا مستحق تھا۔

ربحت الهدى ان كنت عامل صالح
وان لم تكن والعصر انك لفي خسر

اگر تو نے نیک عمل کئے تو ہدایت کا نفع اُٹھا لیا ورنہ کچھ شک نہیں کہ تو ٹوٹے میں رہا۔

على المرء عار كثرة المال بعده
وانك يا مغرور تجمع للفخر

مرنے کے بعد بہت سا مال چھوڑ جانا آدمی کے لئے ننگ کی بات ہے مگر اے غافل تو اُسے فخر کے لئے مال جمع کرتا ہے۔

عَفَا اللّٰہُ عَنَّا مَا مَضٰی مِنْ جَرِیْمَۃٍ وَمَنَّ عَلَیْنَا بِالْجَمِیْلِ مِنَ السَّتْرِ	خدا تعالیٰ ہماری گزشتہ خطائیں معاف فرمائے اور ہمارے عیب بالکل چھپاکر ہم پر احسان کرے ۔

خاتمہ

شیخ کے عام حالات اور اُسکی عام شاعری پر اجمالی نظر

شیخ ایک نہایت صحیح المزاج قوی اور جفاکش آدمی تھا۔ اُسکے قویٰ کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ اسنے دس بارہ حج پیادہ پا کئے تھے اور اپنی عُمر کا بہت بڑا حصّہ صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں بسر کیا اور ایک سو بیس برس کے قریب عُمر پائی ۔

اُسنے صرف پیادہ پا ہی سفر نہیں کئے بلکہ بعض اوقات ننگے پاؤں چلنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا ۔ جس طرح اکثر اہل سلوک نفس شکنی کے لئے اپنے مشائخ کے اِشارہ سے سالہا سال ادنیٰ درجہ کے کام اور محنتیں کیا کرتے ہیں اُسنے بھی بیت المقدّس اور اُس کے گرد و نواح میں ایک مُدّت تک سقائی کی تھی ؏

اسکا مذہب جیسا کہ خود اسکے کلام سے ظاہر ہے تسنّن معلوم ہوتا
ہے لیکن جس طرح اکثر صوفیہ کی نسبت تشیّع کا گمان کیا گیا ہے اسکو بھی
قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں شیعی لکھا ہے - ہم اسکے
کسی خاص مذہب کا ثبوت دیکر ایک ایسے شخص کو جو مقبول فریقین
ہے ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود بنانا نہیں چاہتے
بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصّب تھا اور یہی اُس کے ناجی ہونے کی
دلیل ہے -

اسکو تذکرہ نویسوں نے اہل باطن اور صوفیّہ میں سے شمار کیا ہے
اسکے کلام سے بھی جا بجا یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس رنگ میں ڈوبا ہوا
تھا - بے شک وہ صوفی بھی تھا اور واعظ بھی تھا مگر آج کل کے
مشائخ اور واعظین کے برخلاف ایک نہایت بے تکلف - کھلا ڈلا
یار باش - ہنسوڑ - ظریف - ریا اور نمایش سے دور سیدھا سادہ مسلمان
تھا - اسکو آج کل کے حضرات کی طرح اپنے تئیں لوازم بشریت سے بالکل
پاک ظاہر کرنا اور بہ تکلّف مقدّس فرشتوں کی صورت میں جلوہ گر ہونا
ہرگز نہ آتا تھا - وہ شاعری میں اپنا جواب رکھتا تھا مگر مشرق کے عام
شعرا کی طرح حریص اور لالچی نہ تھا - اُس نے مثل ظہیر - رشید - خاقانی -
اور انوری وغیرہم کے بادشاہوں کی مدّاحی اور امیروں کی بھٹئی کرنیکو
اپنی وجہ معاش نہیں بنایا تھا - بااینہمہ وہ امرا اور سلاطین سے ملتا
بھی تھا اور اُن کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا اور جوکوئی عقیدت یا محبت

سے اُسکی کچھ نذر کرتا تھا وُہ لے بھی لیتا تھا۔ اُسکے نام مدحیہ قصاید دیکھنے
سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وُہ یہ قصیدے کس غرض سے لکھتا تھا زیادہ تر
اُسکے قصیدے ایسے ہیں جنکو قصیدہ گوئی کے مشرقی اصُول کے موافق
بہت مشکل سے قصیدہ کہا جا سکتا ہے امیروں سے وہ اپنے لئے کبھی زیادہ تر
میل جول رکھتا تھا کہ اکثر اُسکی سفارش سے جیسا کہ گلستان کی بعض حکایتوں
سے پایا جاتا ہے غریب آدمیوں کے کام نکل جاتے تھے۔ خودداری
اور غیرت اُس میں ایسی تھی کہ نہایت ضرورت اور احتیاج کے وقت بھی
وہ وضع کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا جیسا کہ اسکندریہ کے قحط میں اُس سے ظہور میں
آیا۔ خلقت کی خیر خواہی اور ہمدردی خدا تعالیٰ نے اُسکی سرشت میں
ودیعت کی تھی۔ اُسکے نصائح اور مواعظ اگر اسقدر مقبول نہ ہوتے اگر
انسانی ہمدردی کا جوش اُسکے دل میں نہوتا اُسنے اپنی زبان اور قلم کو
پند و نصیحت کے لئے وقف کر دیا تھا اور حق بات کہنے سے خطرناک
موقعوں پر بھی نہ چوکتا تھا۔ کوئی شخص کسی چیز میں کامل نہیں ہوسکتا۔
جب تک دو باتیں جمع نہوں ایک جوہر فطرتی۔ دوسرے زمانے کے ایسے
اتفاقات جو اُسکے جلا کا باعث ہوں۔ شیخ کی ذات میں جس قسم کی قابلیت
تھی اُسی کے موافق اُس کو اتفاقات پیش آئے تھے۔ جس شہر میں
وُہ پیدا ہوا تھا وُہ خود ایک مرد خیز خطہ تھا جہاں ہونہار بچوں کو
خود بخود کسب کمال کی ترغیب ہونی چاہئے۔ یتیمی اور بےپدری اگرچہ اکثر
صورتوں میں آوارگی اور ابتری کا سبب ہوتی ہے لیکن با اقبال

ایسی مجبوری اور بیکسی کی حالتیں غیرت مند اور جفاکش لڑکوں کے حق میں ترقی اور رشد کا باعث ہوئی ہیں - جس مدرسہ میں وہ حسن اتفاق سے تحصیل کے لئے پہنچا وُہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز اور سربرآوردہ تھا اور جس دار الخلافہ میں وہ مدرسہ واقع تھا وہاں کی سوسائٹی اُسوقت تقریباً تمام دنیا کی سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ شائستہ اور مُہذّب تھی اُس نے صرف درس و کتاب ہی سے استفادہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ زمانہ نے بھی اُس کی تادیب خاطر خواہ کی تھی - اُسکی عُمر کا ایک بہت بڑا اور مفید حصّہ نہایت کٹھن اور دور دراز سفر کرنے اور دُنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھنے میں بسر ہوا تھا - سلطنتوں کے پے در پے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات - ظالم بادشاہوں اور بیرحم عاملوں کے ظلم و ستم دیکھتے دیکھتے بنی نوع کی دلسوزی اور ہمدردی اُسکی طبیعت میں راسخ ہوگئی تھی - بیسیوں خاندان اُسکی آنکھوں کے سامنے بنے اور بیسیوں بگڑ گئے ایکبار جیساکہ گلستان میں مذکور ہے شام میں اُس کے روبرو ایسا انقلاب ہوا کہ وزیروں کی اولاد بھیک مانگنے لگی اور روستائی زادے وزارت کے درجہ کو پہنچ گئے - ساتویں صدی میں جسمیں کامل عقل و ہوش کے ساتھ اُسنے اکیانویں برس بسر کئے تھے عجیب و غریب تماشے اُسکی نظر سے گزر گئے سلاطین کُردیہ کا خاندان جن کی سطوت و جلالت - ایشیا - افریقہ اور یورپ میں یکساں مانی جاتی تھی اسی صدی میں تمام ہوا - سلاجقہ - قونیہ اور خوارزم شاہیوں کی نہایت سخت لڑائی جس نے دو نو سلسلوں کو

مضمحل کر دیا اسی صدی میں ہوئی - پھر خوارزمیوں کی سلطنت جو بحیرۂ خزر اور جھیل یورال سے دریائے سندھ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی اسی صدی میں تاتاریوں[۱] کے ہاتھ سے برباد ہوئی - بنی عباس کی خلافت سوا پانسو برس بعد اسی صدی میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوئی اور بقول بعض مؤرخین کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون مغلوں کی تلوار سے دجلہ کی ریتی میں بہ گیا - دمشق اور اسکندریہ کا قحط جسکا ذکر گلستان اور بوستان میں ہے اور مصر کا قحط جس میں حسب تصریح صاحب وصاف ایک ایک روٹی ہزار ہزار دینار کو بک گئی اور فارس کا قحط جس میں ایک لاکھ آدمی بھوکا مر گیا اسی صدی میں واقع ہوئے - اتابکانِ فارس کے خاندان پر اسی صدی میں زوال آیا - دار الملک شیراز جو شیخ کا مولد و مسکن تھا اسی صدی میں کئی بار قتل و غارت کیا گیا - فرقۂ اسمٰعیلیہ جو ڈیڑھ سو برس مشرق میں نہایت زور شور کے ساتھ حکمران رہا اسکا خاتمہ تاتاریوں نے ایران میں اور

---

[۱] اس معرکہ میں جیسا کہ شیخ نجم الدین دایہ نے مرصاد العباد کے دیباچہ میں لکھا ہے تاتاریوں نے صرف رَے اور اُسکے گرد نواح میں تقریباً سات لاکھ مسلمان قتل اور اسیر کئے تھے اور خراسان کے چار شہر - بلخ - مرو - ہرات اور نیشاپور بالکل تاراج اور نابود ہو گئے اور اُن کے دائیں بائیں اکثر بستیاں قتل و غارت کا نشانہ ہوئیں -

کرُدوں نے شام میں ہمیشہ کے لئے اِسی صدی میں کیا - یہ تمام حوادث اور وقائع شیخ کے سامنے ظہور میں آئے تھے جنسے ایک صاحب بصیرت آدمی بے انتہا عبرت اور نصیحت حاصل کرسکتا ہے چنانچہ بغداد کا مرثیہ جو اُسنے عربی میں لکھا ہے اُسمیں کہتا ہے -

رَعَی اللّٰہُ اِنْسَانًا تَیَقَّظَ بَعْدَ ھُمْ   لِاَنَّ مُصَابَ الزَّیْدِ مَزْجَرَۃُ الْعَمْرٖ

یعنی - خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو خلافت عباسیّہ کے زوال کے بعد متنبّہ ہوگیا کیونکہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے - یورُوپ کے مشہور مُصنّف ہگ ملر صاحب کا قول ہے کہ مینے عمدہ تعلیم صرف ایک اسکول یعنی مدرسۂ روزگار میں پائی ہے جسمیں محنت اور مُصیبت دو بڑے گرمجوش اور دلسوز اُستاد تھے -

اِس کے سوا جیسی عمدہ صحبتیں شیخ کو میسّر آئی تھیں ویسی بہت کم آدمیوں کو میسّر آتی ہیں - شیخ کی عادت جیسا کہ ایک رسالہ[1] میں اُسکے فحوائے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھی کہ عالمِ سفر میں وہ جہاں جاتا تھا وہاں کے عُلما - صُلحا - مشائخ اور کاملین سے ضرور ملتا تھا - صاحب نفحات الانس نے لکھا ہے کہ شیخ نے کثرت سے دانشمندوں اور عالموں کو دیکھا تھا - وہ خود بھی بوستان میں کہتا ہے -

تمتّع ز ہر گوشۂ یافتم   ز ہر خرمنے خوشۂ یافتم

اگرچہ ساتویں صدی ہجری میں جسمیں کہ شیخ کی جوانی اور بڑھاپا گزرا

[1] یہ رسالہ شیخ کے کلیات میں شامل ہے -

تھا مسلمانوں کی علمی ترقیات اور فضائل و کمالات سابق کی نسبت بہت محدود ہوگئے تھے لیکن پھر بھی بلادِ اسلام میں ایک جمِ غفیر اعلیٰ درجہ کے مشائخ اور علما و حکما کا نظر آتا تھا۔ خصوصاً جن ملکوں میں شیخ کی زیادہ آمد و رفت رہی ہے جیسے ایران - روم - شام - عراق - عرب اور مصر وغیرہ وہ اب بھی دینی اور دنیوی علوم کے مرکز تھے ہمارے تذکرہ دل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں جن لوگوں نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے آٹھویں صدی کے شروع تک وفات پائی ہے اور جنسے شیخ کا ملنا ممکن تھا ان میں کم سے کم چار سو جلیل القدر عالم اور محقق ایسے موجود تھے جو تمام بلادِ اسلام میں مانے گئے ہیں اور جن کی تصنیفات ابتک مسلمانوں میں نہایت عظمت کے ساتھ تسلیم کی جاتی ہیں - جیسے شیخ محی الدین ابن العربی - خواجہ نصیر الدین طوسی - شیخ صدر الدین قونوی مولانا جلال الدین رومی - ابن تیمیہ حرانی - امام یافعی شیخ ابو الحسن شاذلی شیخ تاج الدین قسطلانی - شیخ شہاب الدین سہروردی - شیخ ابن فارض - شیخ اوحد الدین کرمانی - قاضی ابن خلکان - شیخ الاسلام تقی الدین ابن الصلاح - خواجہ علاء الدین ہمدانی - علامہ قطب الدین شیرازی - امام محی الدین نووی - قاضی ناصر الدین بیضاوی - ابن عساکر فقیہ شافعی وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے سیکڑوں جلیل القدر علما اور مشائخ شیخ کی نظر سے گزرے تھے اور ان کے علاوہ جیسا کہ گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتا ہے وہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا اور انکی

صحبت سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ جسطرح وہ فقرا اور مشائخ کے حلقوں میں بیٹھتا تھا۔ اُسی طرح اُمرا کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں شریک ہوتا تھا۔ کبھی وہ احرار اور ابرار کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا اور کبھی اوباش و الواط کے جلسوں کا تماشائی تھا۔ نہ اُسکو شراب خانے میں جانے سے عار تھا نہ بُت خانے میں رہنے سے ننگ تھا۔ اُسی نے جامع بعلبک میں مُدتوں وعظ کہا تھا اور وہی بُت خانۂ سومنات میں ایکمدت تک پوجاری رہا کبھی وہ بصرہ کے نخلستان میں یاروں کے ساتھ کھجوریں توڑتا نظر آتا تھا اور کبھی فلسطین کی بستیوں میں پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا۔ غرضکہ اُسکی تمام عمر خصائل انسانی اور نیرنگی روزگار کے مطالعہ میں بسر ہوئی تھی۔ اسی سبب سے یورُوپ کے بعض مُصنفوں نے اُسکو گریٹ مورلسٹ کہا ہے اور اسی وجہ سے اخلاق بشری کی تصویر جس عُمدگی کے ساتھ اُسنے اپنے کلام میں کھینچی ہے ویسی آجتک ایران کے کسی شاعر سے نہیں کھچ سکی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شعراے ایران میں جسقدر عمر شیخ نے پائی ہے ظاہرا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جہاں تک ہماری تحقیق سے ثابت ہوتا ہے اُسنے ایکسو بیس برس اس قفس عنصری میں بسر کئے ہیں۔ اگرچہ ہر علم و فن میں کمال کا درجہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ عمر پانی ضرور ہے مگر شاعر کے لئے سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت ہے۔ شاعر جسقدر بڈھا ہوتا جاتا ہے شاعری جوان ہوتی جاتی ہے اگرچہ شیخوخت کے مرتبہ کو پہنچکر شاعر کے فکر میں بلند پروازی

نہیں رہتی لیکن بلاغت جو شاعری کا رکن اعظم ہے کمال کو پہنچتی جاتی ہے یہی سبب ہے کہ جن شاعروں نے تھوڑی عمر پائی ہے گو کہ انکی قابلیت و استعداد اعلےٰ درجہ کی تھی مگر ان کی شاعری میں ضرور کچھ نہ کچھ نقصان رہ گیا۔ جیسا کہ عرفی شیرازی کی نسبت شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ "غنچہ استعدادش ناشگفتہ ماند" ایک نوجوان شاعر جسکی طبیعت میں کمال جودت اور بلند پروازی ہو بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شوخ چالاک الھڑ بچھیرا جسکی بھاگ ڈور اور جست و خیز اکثر بے اصول اور خلاف قاعدہ ہوتی ہے اور ایک معمر سن رسیدہ شاعر گو اسکی فکر کیسی ہی پست اور محدود ہو اس شائستہ اور سدھے ہوئے گھوڑے کے مانند ہے جو کبھی بے اصول قدم نہیں اٹھاتا۔ الغرض شاعری کے لئے جتنی ضروری شرائط درکار ہیں وہ سب خداتعالیٰ نے شیخ کی ذات میں جمع کر دی تھیں۔

شاعری کی بنیاد زیادہ تر چار چیزوں پر ہے ایک یہ کہ شاعر کے خیالات کم و بیش کسی حقیقت واقعیہ پر نہ کہ محض اختراع ذہن پر مبنی ہونے چاہئیں ورنہ شعر میں کچھ تاثیر نہ ہوگی۔ دوسرے وہ ایسے خیالات ہوں جن میں عام خیالات کی نسبت ایک قسم کی ندرت اور نرالاپن اور تعجب پایا جائے ورنہ معمولی بات چیت میں اور شعر میں کچھ فرق نہ ہوگا تیسرے یہ کہ خیالات عمدہ لباس میں ظاہر کئے جائیں کیونکہ خیال کیسا ہی عمدہ ہو اگر مناسب لفظوں میں ادا نہ کیا جائے تو دائرۂ شاعری سے خارج

ہوگا۔ چوتھے شاعر کے دل میں جبکہ وہ کسی مضمون پر شعر لکھ رہا ہے کم و بیش اُس مضمون کا جوش اور وَلولہ موجود ہونا چاہیے ورنہ شعر نہایت کمزور ہوگا یہ چاروں باتیں جیسی شیخ کی شاعری میں پوری پوری پائی جاتی ہیں ویسی ایران کے کسی اَور شاعر میں مشکل سے پائی جائیں گی۔ اگرچہ بعض کے کلام میں یہ تمام خاصیتیں موجود ہیں لیکن اُنکا کلام چونکہ نہایت محدود اور ایک خاص صنف میں منحصر ہے جیسے خواجہ حافظ شیرازی کی غزل۔ اِسلئے ہم اُنکو شیخ کا ہم پلّہ نہیں سمجھتے۔

شیخ کو اور شعرا پر اِس سبب سے بھی بہت بڑی فوقیت ہے کہ اُس کی نظم و نثر دونو مسلّم الثبوت ہیں۔ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوگی کہ ایران میں جتنے مسلّم الثبوت شعرا گذرے ہیں اُن میں شیخ کے سوا ایک بھی ایسا نہیں ہے جسکی نثر کو مثل نظم کے جمہور نے تسلیم کیا ہو اگرچہ ہندوستان میں نورالدین ظہوری کو بھی نظم و نثر کا جامع مانتے ہیں لیکن اہل ایران اُس کی نظم و نثر دونوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ بیشک اُسکی نثر کے اکثر فقرے بادی النظر میں نہایت دلفریب ہیں جیسے

سُنبلِ حرفش از آہِ ناشکیباں بنفشۂ نقطہ اش از خالِ دلفریباں

از رشحِ طراوتِ کلماتِ نہرِ سطرہا لامال آبِ حیات خضر تشنہ لب سیرابی از مسیحا مُردہ جاں بخشی ہوا نکتہ ہائے برجستہ غنچہ ہائے سربستہ۔ نثرش نثرہ رفعت۔ شعرش شعری مرتبت۔ ہر صفحہ چمنی و ہر سطرے نخلے برکشش لفظ دلکش و بارش معنی بے غش ہر حرفش فصلے و ہر فرعش اصلے"

اسی طرح سہ نثر کے اور بہت سے فقرے الفاظ پرستوں کو
نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں الفاظ کے سوا اور
کچھ بھی نہیں ہے ؎

خوب اند و خوش اند و بو ندارند

بخلاف اسکے شیخ نے گلستان میں اس سے بہت زیادہ دلاویز و دلکش
الفاظ میں حقائق واقعیہ کو بیان کیا ہے یہ بات گلستان کے سوا کسی فارسی
نثر میں آجتک نہیں دیکھی گئی مثلاً

"در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی ۔ نظرے داشتم بروئے وگذرے داشتم
بکوئے ۲ اے برادر حرم در پیش و حرامیان از پس اگر رفتی بردی و اگر
خفتی مردی ۳ آزردن دل دوستان جہل ست و کفارۂ یمین سہل ۴ تو کہ
چراغ بہ بینی بنہیا چراغ چہ بینی ۵ طریق درویشان ذکرست و شکر و خدمت و طاعت
و ایثار و قناعت و توحید و توکل و تسلیم و تحمل ۔ ہر کہ بدین صفتہا موصوف ست
بحقیقت درویش ست ۔ اگرچہ در قباست ۔ اما ہرزہ گردے بے نمازے ہوا
پرستے ہوس بازے کہ روزہا بشب آرد در بند شہوت و شبہا روز کند در خواب
غفلت و بخورد ہرچہ در میان آید و بگوید آنچہ بر زبان آید زندیق ست اگرچہ
در عباست ۶ پدر را عسل بسیارست اما پسر گرمی دارست ۷ صیاد بے
روزی در دجلہ ماہی نگیرد و ماہی بے اجل بخشکی نمیرد ۸ گوئی خردۂ مینا بر خاکش
ریختہ و عقد ثریا از تاکش درآویختہ ۹ عصارۂ تاکی بقدرتش شہد فائق شدہ و تخم خرما
بتربیتش نخل باسق گشتہ "

نظم و نثر کے جامع فارسی زبان ہی میں نادر الوجود نہیں ہیں بلکہ ہر زبان میں یہی حال ہے انگریزی میں باوجودیکہ لٹریچر کی ترقی انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی ہے صرف گنتی کے آدمی ایسے ہیں جن کو نظم اور نثر دونو میں تمام اہل فن کے نزدیک قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ بعضے ملٹن کو اور بعضے سکاٹ کو اور بعضے اور ایک آدہ آدمی کو نظم و نثر کا جامع خیال کرتے ہیں۔ پس شیخ کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ ایران میں صرف اُسی کی نظم و نثر دونوں ایسی ہیں جنکو تمام اہل زبان نے تسلیم کیا ہے۔

شیخ نے بھی تغزل یعنی عاشقانہ اشعار کی بُنیاد تمام شعراے ایران کی طرح امردوں اور سادہ رخوں کے عشق ہی پر رکھی ہے۔ لیکن یہ بات جیسی کہ بادی النظر میں مذموم اور قبیح معلوم ہوتی ہے حقیقت میں ایسی نہیں ہے اور صرف اس بنا پر شیخ یا ایران کے اور شعرا پر امرد پرستی کا الزام لگانا بیجا ہے۔ فارسی زبان میں اور اُس کی پیروی سے اردو زبان میں بھی ہمیشہ سے شاعری کا یہ طریقہ رہا ہے کہ شاعر مرد ہو یا عورت۔ رند ہو یا صوفی۔ خدا کا عاشق ہو یا مخلوق کا مرد کا عاشق ہو یا عورت کا بلکہ سرے سے عاشق ہو یا نہو ہمیشہ غزل ایسے عنوان سے لکھتا ہے جس سے معلوم ہو کہ شاعر کسی پر عاشق ہے اور وہ اور اُس کا معشوق دونوں مرد ہیں۔ اسی طرح ہندی میں شاعر مرد ہو یا عورت دُنیا دار ہو یا تارک دُنیا عشق حقیقی رکھتا ہو یا عشق مجازی۔ مرد کا عاشق ہو یا عورت کا ہمیشہ عاشقانہ

نظم ایسے طور پر لکھتا ہے جس سے ثابت ہو کہ شاعر عورت ہے اور اس کا معشوق مرد ہے۔ اسی طرح عربی میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت فرض کر لیتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی شخص تینوں زبانوں میں شعر کہنے پر قادر ہو تو اس غریب کو ہر زبان کے دستور کے موافق کہیں آپ کو مرد اور معشوق کو عورت اور کہیں آپ کو عورت اور معشوق کو مرد اور کہیں آپ اور معشوق دونوں کو مرد قرار دینا پڑے گا۔ حضرت امیر خسرو دہلوی کی فارسی غزلوں سے صاف یہ پایا جاتا ہے کہ وہ کسی سادہ رخ لڑکے پر مفتون ہیں اور ان کے ہندی دوہروں سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی عورت اپنے پیارے خاوند یا دوست کے عشق یا جدائی میں بیتاب ہے اور عربی قصاید کی تشبیبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرد اپنی زوجہ یا محبوبہ کی یاد میں مضطر و بیقرار ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام فرضی اور اصطلاحی عنوان بیان ہیں جنکو حقیقت واقعی سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ جس طرح ہزاروں پارسا اور پرہیزگار شاعر جنہوں نے نہ کبھی شراب کا مزا چکھا نہ اسکی صورت دیکھی نہ اس کی بو سونگھی صدہا شعر شراب و کباب کے مضمون کے لکھتے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں پاکباز اور صاحب عفت شعر لکھتے وقت تھوڑی دیر کو امرد پرست اور شاہد باز بنجاتے ہیں۔ البتہ اس سے مشرقی شاعری کی حد سے زیادہ بے اعتباری پائی جاتی ہے جس کے اصول اور فروع سب تصنع اور بناوٹ اور ادعاے محض پر مبنی ہیں۔ لیکن

شیخ سعدی اور مولنا روم اور امیر خسرو اور خواجہ حافظ اور تمام شعرائے متصوفین اس سے مستثنی ہیں کیونکہ یہ لوگ اکثر عشق مجازی کے پیرایہ میں اپنے واردات اور حالات اور حقائق واقعیہ بیان کرتے ہیں۔ بعض اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے کلام کو جس میں بظاہر تمام خال وخط اور شراب وشاہد کے مضامین درج ہیں حقیقی معنوں پر محمول کرنا اور اس سے شاہد حقیقی کے شیون و صفات مراد لینی صرف ایک ملایانہ گھڑنت ہے جس میں سراسر تکلف اور بناوٹ پائی جاتی ہے۔ مگر ایسا خیال وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کوچہ شاعری سے نابلد ہیں۔ کنایہ ہمیشہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر ہمیشہ اغیار سے چھپایا جاتا ہے چنانچہ حضرت مولانا روم مثنوی میں صاف صاف فرماتے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں　　گفتہ آید در حدیث دیگراں

شعرائے متصوفین کے اشعار اگر حقیقی معنوں پر محمول نہ کئے جائیں تو ان میں وہ کرشمہ جسنے ایک عالم کے دلکو تسخیر کیا ہے باقی نہیں رہتا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد شیریں جو کہ مولانا مغربی کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا دیوان غزلیات متصوفانہ اشعار میں مشہور ہے ان کے سامنے کسی نے ان کے معاصر شیخ کمال اسمٰعیل خجندی کا یہ مطلع پڑھا۔

چشم اگر اینست و ابرو این و ناز و عشوہ این　　الوداع ای زہد و تقوی الفراق ای عقل و دین

مولانا نے سُنکر کہا ایسا شعر کہنا کیا ضرور ہے جو معنی مجازی کے سوا کوئی اور محل نہ رکھتا ہو۔ شیخ نے بھی یہ بات سُنی اور ایک موقع پر مولانا کے سامنے ذکر چھیڑ کر کہا کہ چشم اور عین مُرادف لفظ ہیں پس عین سے ذاتِ الٰہی مُراد لی جا سکتی ہے اور ابرو حاجب کا مرادف ہے پس ممکن ہے کہ حاجب سے صفاتِ الٰہی جو کہ حاجبِ ذات ہیں مُراد لیجائیں۔ مولانا نے اِس توجیہ کو تسلیم کیا اور شیخ کے بیان کی داد دی " خواجہ حافظ کی نسبت اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ " یہ شخص لسان الغیب اور ترجمان الاسرار ہے۔ اُس نے اکثر اسرارِ غیبی اور معانیِ حقیقی مجاز کے لباس میں ایسی خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کسی اور سے ایسا بیان نہیں ہو سکا" پھر اکابرِ صوفیہ میں سے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے جو کہ صوفیہ کے حق میں دیوانِ حافظ کو تمام دیوانوں سے بہتر بتاتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تغزّل کا یہ طریقہ خواجہ حافظ وغیرہ نے شیخ سعدی شیرازی کے تتبّع سے حاصل کیا ہے۔

البتہ ایران کی شاعری میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اُنہوں نے تغزّل کی بُنیاد امرد پرستی پر کیوں رکھی ہے۔ عرب کی شاعری میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت اور ہندی میں اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہیں اور یہ دونو طریقے نیچر کے مطابق ہیں مگر مرد کا مرد پر عاشق و فریفتہ ہونا اور اُس سے وصل کا طالب اور کامجو ہونا اگرچہ محض زبانی جمع خرچ کیوں نہو ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فطرتِ انسانی

بالکل ایسا کرتی ہے - ہمارے نزدیک اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی
زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و تانیث کا تفرقہ نہیں
ہے - اسمیں ضمیریں اور افعال اور صفات مرد اور عورت دونو کے لئے
یکساں لائی جاتی ہیں - پس ممکن ہے کہ قدیم فارسی میں بھی ہندی
کی طرح شعرا اپنے تئیں عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہوں لیکن اس
سبب سے کہ شاعر عموماً مرد ہوتے تھے اور ضمائر یا افعال وغیرہ سے یہ
ثابت نہ ہوتا تھا کہ شاعر نے اپنے تئیں مرد فرض کیا ہے یا عورت رفتہ
رفتہ یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ فارسی میں عاشق اور معشوق دونوں مرد
فرض کئے جاتے ہیں - میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر کامل غور اور توجہ سے دیکھا
جاے تو یہ ایک ایسی توجیہ ہے جس کے صحیح ہونے میں کچھ تھوڑا ہی سا
شبہ باقی رہ جاتا ہے - اسکے سوا دوسری وجہ یہ بھی خیال میں آتی ہے
کہ جب مسلمان عرب سے نکلکر اطراف و جوانب میں پھیلے تو بسبب اسکے
کہ اُن کے ہاں عورتوں کا مردوں سے چھپانا مذہبی فرائض میں سے تھا
غیر قوموں کے میل جول سے عورتوں کے باب میں اُنکی غیرت حد سے زیادہ
بڑھ گئی تھی - خصوصاً مسلمان بادشاہوں میں اس غیرت کا ظہور سب
طبقوں سے زیادہ تھا - ڈاکٹر برنیر فرانسیسی جو ہندوستان میں بندرہ
سولہ برس عالمگیر کے ساتھ رہا ہے اپنے وقائع سفر میں لکھتا ہے ہندوستان
میں جب بادشاہ سفر کرتا تھا تو بیگمات کی سواری کے نزدیک کوئی شخص اگرچہ کیسا
ہی ذی رتبہ اور صاحب اعتبار ہو نہیں جانے پاتا تھا اور نہ بالضرور خواجہ سراؤں اور

اور خواصوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کے ساتھ پٹتا تھا - اور ایران میں سُنا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیگمات کی سواری سے آدھے فرسنگ کے فاصلہ پر نظر پڑجاتا تھا تو اسکی سزا موت کے سوا کچھ نہ تھی اور جس شہر یا گانو میں سے بیگمات کی سواری نکلتی تھی وہاں کے تمام مرد اور عورت اپنے اپنے مقام اور مسکن چھوڑ کر چلے جاتے تھے " شاید اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے باب میں مُسلمان بادشاہوں کی غیرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی - چونکہ شعرا اکثر بادشاہوں کے مدّاح اور مصاحب ہوتے تھے اسلئے وہ کوئی بات سلاطین کے مقتضائے مزاج کے خلاف شعر میں درج نہ کر سکتے تھے پس نہایت قوی گمان ہے کہ شعرا نے غزل اور تشبیب میں عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر اور جو جو معاملات عشق کے زمانہ میں عاشق و معشوق کے درمیان واقع ہوتے ہیں اُنکو صاف صاف بیان کرنا سلاطین کی حمیت اور غیرت کے برخلاف سمجھا ہوا ور اسلئے تمام عشقیہ مضامین امردوں اور سادہ رُخوں پر ڈھالے گئے ہوں - سلاطین مُغلیہ میں سے جہانگیر کے عہد میں جو ایک واقعہ گزرا ہے وہ اس خیال کی تائید کرتا ہے - ایک موقع پر جہانگیر کے روبرو قوال امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی غزل [illegible] اُس کو سُنکر بہت محظوظ ہو رہا تھا - ج[illegible] [illegible]ب سے یہ شعر گایا ہ

توشبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب ۔۔۔ کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

بادشاہ دفعتہً بگڑ گیا اور قوّال کو فوراً پٹوا کر نکلوا دیا اور اسقدر برہم ہوا
کہ تمام ندیم اور خواص خوف سے لرزنے لگے اور فوراً ملّا نقشی مہرکن کو
جسکا بادشاہ بہت لحاظ کرتا تھا بُلا کر لائے تاکہ وُہ کسی تدبیر سے بادشاہ
کے مزاج کو دھیما کریں۔ جب وُہ سامنے آئے تو بادشاہ کو نہایت غیظ و
غضب میں بھرا پایا۔ عرض کیا۔ حضور خیر باشد۔ بادشاہ نے کہا دیکھو
یہ خسرو نے کیسی بے غیرتی کا مضمون شعر میں باندھا ہے۔ بھلا کوئی
غیرت مند آدمی اپنی محبوبہ یا منکوحہ سے ایسی بے غیرتی کی بات کہہ سکتا
ہے؟ ملّا نقشی نے ایک نہایت عُمدہ توجیہ سے اُسی وقت بادشاہ کا
غصّہ فرو کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ امیر خسرو نے چونکہ ہندوستان میں
نشو و نما پایا تھا اِسلئے وہ اکثر ہندوستان کے اصول کے موافق شعر کہتے
تھے یہ شعر بھی اُنہوں نے اُسی طریقہ پر کہا ہے۔ گویا عورت اپنے شوہر
سے کہتی ہے کہ تو رات کو کسی غیر عورت کے ہاں رہا ہے کیونکہ اسوقت تیری
آنکھوں میں نشہ کا یا نیند کا خمار پایا جاتا ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ کا
غیظ و غضب فوراً جاتا رہا۔ اور پھر گانا بجانا ہونے لگا۔

اگرچہ شیخ یا اور شعرائے ایران کے عاشقانہ اشعار سے جیسا کہ
ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُن کی امرد پرستی اور شاہد بازی پر استدلال
نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ گلستان کے پانچویں
باب کی بعض حکایتوں اور نیز شیخ کے اکثر اشعار سے صاف پایا جاتا
ہے کہ عشق و محبت اُس کی سرشت میں تھا اور کسی نہ کسی وقت میں اُسکو

سادہ رُخوں اور امردوں کی طرف میلانِ خاطر رہا ہے ۔ مگر اس
کو ہیں کسی بُری معنی پر محمول نہیں کرتا ۔ صوفیہ کے حالات جو نفحا
وغیرہ میں لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک
عشقِ مجازی بشرطیکہ پاک اور بے عیب ہو سالک کے لئے ا
بہت بڑا ذریعہ ترقی باطنی کا ہے اور اکثر بڑے بڑے مشائخ
عُرفا میں یہ خصلت پاکدامنی اور عفت کے ساتھ دیکھی گئی ہے ۔ س
نے جس طرح اپنے عاشق مزاج ہونے کا جا بجا اقرار کیا ہے اسی ط
ناپاک عشقبازی اور ہوا و ہوس سے بیسیوں جگہ اپنی برأت بھی ک
چنانچہ ایک جگہ غزل میں کہتا ہے ؎

گر نظرِ صدق را تمام گنہ سے نہند — حاصل ما ہیچ نیست جز گنہ اند

تمام شُد